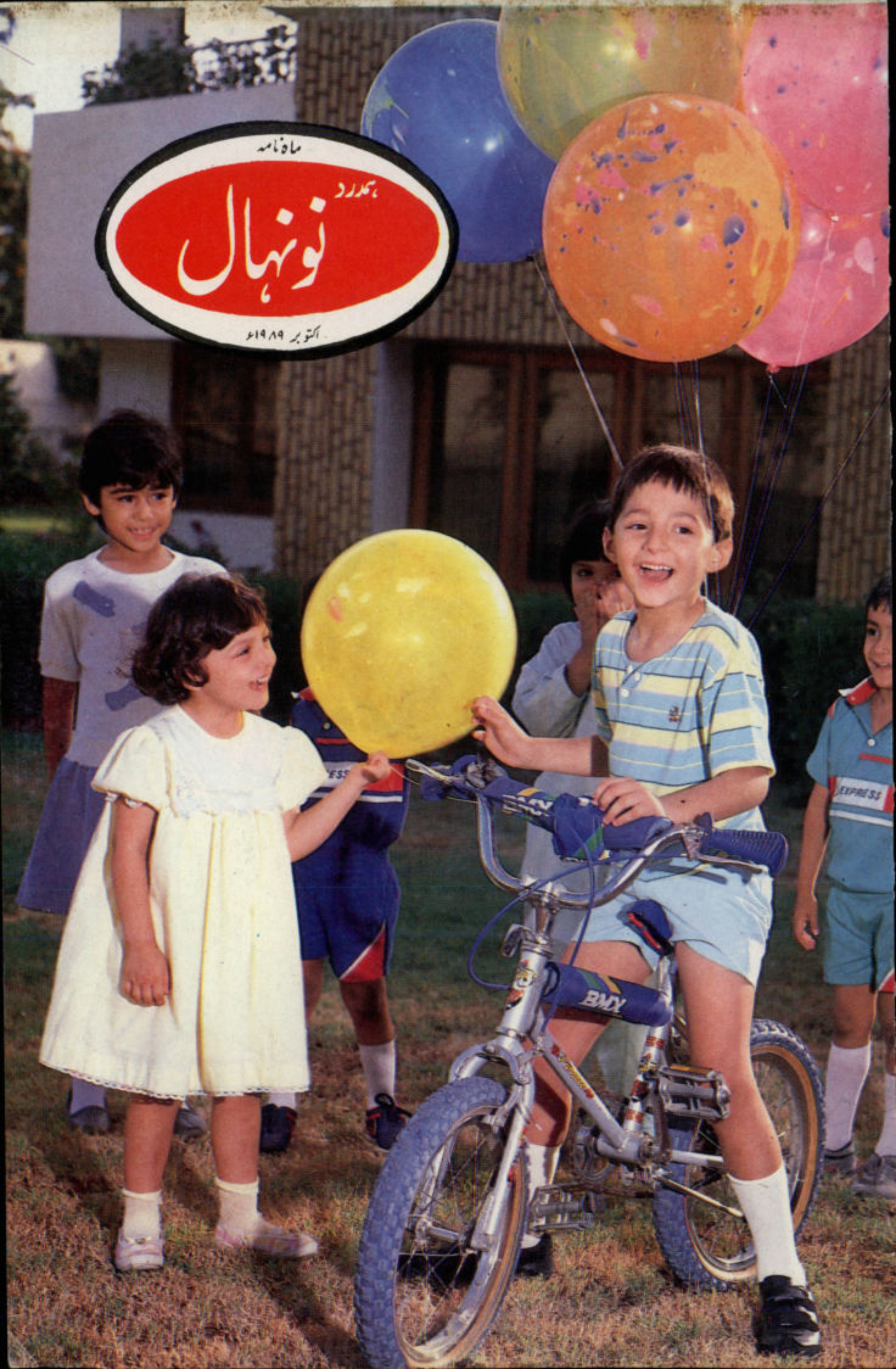
ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
اکتوبر ۱۹۸۹ء
EXPRESS
BMX

ACTION
JUNIOR TOOTHBRUSH
Begin your day with ACTION !
Now also available at all Utility and C.S.D. Stores.
UNIVERSAL BRUSHWARES (PVT) LTD.

ہمدرد

نونہال

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ربیع الاوّل ۱۴۱۰ ہجری
اکتوبر ۱۹۸۹ عیسوی
جلد ۳۷ شمارہ ۱۰
قیمت فی شمارہ ۵ رُپے
سالانہ ۵۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۱۲۷ رُپے

ISSN 0259 - 3734

مجلس ادارت

صدر مجلس حکیم محمد سعید
مُدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی
مُدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

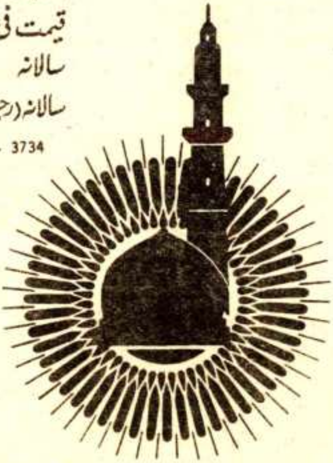

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔
ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق محفوظ رکھیں۔

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ ناظم آباد، کراچی۔ پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰
ٹیلے فون ۵ - ۶۱۶۰۰۱ (پانچ لائنیں)

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت
اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے

- جاگو جگاؤ — جناب حکیم محمد سعید ۳
- پہلی بات — مسعود احمد برکاتی ۴
- سعادت کے زینے — شفیع الدین نیّر ۵
- گل دستہ — ننھے گل چیں ۶
- حضورؐ کی خوش مزاجی — جناب حکیم محمد سعید ۷
- کتاب (نظم) — جناب فیض لودھیانوی ۹
- دانہ دانہ — نونہال نکتہ داں ۱۱
- ہمدرد انسائیکلوپیڈیا — جناب علی ناصر زیدی ۱۵
- کہاوتوں کی کہانیاں — جناب رؤف پاریکھ ۱۷
- انوکھا تحفہ — صلاح الدین عبّاسی ۲۱
- شہیدِ ملّت (نظم) — جناب عنبر چغتائی ۲۷
- طِب کی روشنی میں — جناب حکیم محمد سعید ۲۸
- برف کی دنیا — جناب اشرف نوشاہی ۳۱
- دُم لمبی ہوگئی — جناب ابرار محسن ۴۱
- ناقابلِ اشاعت — عمیمہ سندس مغل ۴۵
- جسمِ انسان (نظم) — ڈاکٹر ناہید نذر ۴۹
- رحمتِ دو جہاں — محمد وسیم بن اشرف ۵۱
- جنگلی حیوانات — ڈاکٹر منظور احمد ۵۳
- چچا افلاطون — شگفتہ جعفری ۶۰
- مونٹی کرسٹو کا نواب — مسعود احمد برکاتی ۶۵
- بزمِ ہمدرد نونہال — تصویر حسین حمیدی، اور دوسرے ۷۶
- نونہال مصوّر — ننھے آرٹسٹ ۸۷
- معلوماتِ عامّہ ۲۸۲ — ادارہ ۸۸
- آئینہ — ادارہ ۸۹

کھِل کھِلائیے: ننھے مزاح نگار، ۹۳- نونہال ادیب: ننھے لکھنے والے، ۹۵- آدھی ملاقات: نونہال پڑھنے والے، ۱۱۱-
معلوماتِ عامّہ ۲۸۰ کے جوابات: ادارہ، ۱۱۸- نونہال لغت: ادارہ، ۱۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے سب سے اچھا نمونہ ہے۔ حدیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس اسوۂ حسنہ کی زیادہ سے زیادہ پیروی ہی اطاعتِ رسولؐ ہے۔ آپؐ کو جو باتیں پسند تھیں وہ ہمیں بھی پسند ہونی چاہییں۔ جو چیزیں آپ کو ناپسند تھیں وہ ہمیں بھی ناپسند ہونی چاہییں۔ آپؐ مسلمانوں کو اخوّت اور بھائی چارے کی سختی کے ساتھ تاکید کرتے تھے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھیں۔ آپؐ یتیموں کے والی، محتاجوں کے داتا، بیواؤں کے سرپرست، مسلمانوں کے رہبر، حتیٰ کہ کافروں اور مشرکوں کے لیے بھی رحمت تھے۔ اس لیے رسول اللہؐ کی اطاعت کا معیار ہماری نگاہ میں ان اوصاف کو اپنانا ہے۔ مسلمانوں کے ہادیِ برحق صرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہو سکتے ہیں دوسرا کوئی نہیں۔

پاکستان اسلام کا قلعہ ہے، مسلمانوں کا گہوارہ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پاکستان کی حفاظت اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے انتھک کوشش کرے تاکہ مسلمانوں کا یہ محبوب وطن جو اسلام ہی کے نام پر حاصل ہوا ہے غیروں کی شرارتوں کا شکار نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور ہم مسلمانوں کو سیسہ پلائی دیوار کی طرح مُتحّد اور ناقابلِ تسخیر بنائے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

مسعود احمد برکاتی

پہلی بات

آپ کے رسالے کا تازہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کو یہ اس لیے اچھا لگتا ہے کہ یہ آپ کا ہمدرد ہے اور ہمیں بھی یہ اس لیے پسند ہے کہ یہ ہمارا دوست ہے۔ دوست یوں بھی ہے کہ یہ ہماری آپ کی دوستی کا ذریعہ ہے۔ بہت اچھا اور بہت بڑا ذریعہ۔ علم پہنچانے کا ذریعہ جو بھی، ہو وہ اچھا ہوتا ہے اور علمی دوستی بڑی پکّی اور سچّی دوستی ہوتی ہے۔ اب دیکھو نا، اُستاد شاگرد کا رشتہ کتنا پیارا رشتہ ہے۔ استاد سے بڑھ کر کوئی سچّا دوست نہیں ہوتا۔ آج کل ذرا اس دوستی میں خلل آنے لگا ہے۔ بعض شاگرد ذرا کم زور پڑنے لگے ہیں اور بعض استاد بھی ذرا . . . . خیر استاد کیسے ہی ہوں اُن کو کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ استاد تو استاد ہی ہوتا ہے۔ اس کی تو ہر حال میں عزّت کرنی چاہیے، ہر حال میں اس سے محبّت کرنی چاہیے۔ استاد ہمارا محسن ہوتا ہے۔ وہ ہمیں علم دیتا ہے۔ علم ایک طاقت ہے۔ علم ایک ہتھیار ہے۔ اس سے بڑا ہتھیار دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تم جب بڑے ہو تو اپنے شاگردوں کو بھی اتنی ہی محبّت سے سکھانا پڑھانا۔ تم اپنے استاد سے محبت کرتے ہو تو تمھارے شاگرد بھی تم سے محبت کریں گے۔ تمھارا ادب کریں گے اور تم سے علم حاصل کریں گے۔

فوٹو کاپی کا طریقہ بڑا اچھا ہے۔ اس سے طالب علموں کو بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ نقل کرنا اور لکھنا کم پڑتا ہے۔ فوٹو کاپی کی مشین بڑی اچھی ایجاد ہے۔ اس سے وقت بھی بچتا ہے، لیکن اس سے وہی کام لینا چاہیے جس کے لیے یہ بنائی گئی ہے۔ اپنے ہاتھ سے نقل کرنے، نوٹس لکھنے کے فائدے اپنی جگہ ہیں۔ بہت سی باتیں اپنے ہاتھ سے لکھنے سے سمجھ میں آتی ہیں اور یاد ہو جاتی ہیں۔ خط بھی اچھا ہوتا ہے۔ بعض نونہال ایک تحریر لکھ کر اس کی فوٹو کاپی کر کے دو رسالوں کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ اپنی تحریر ایک ہی رسالے میں بھیجنی چاہیے۔ اب اگر کسی تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں ملی تو ہم اس کو بغیر پڑھے .... ٹوکری کی نذر کر دیں گے۔

سعادت کے زینے

جناب محمد شفیع الدین نیّر مرحوم کی
ایک خوب صورت نعت

یہ دَب دَب کے کِس نے اُبھرنا سکھایا
رہِ حق میں خوش ہو کے مَرنا سِکھایا
"کسی سے جہاں میں نہ ڈرنا" سِکھایا
مدد اپنی خود آپ کرنا سِکھایا
سکھایا بَلاؤں سے جا جا کے اَڑنا
سکھایا مصائب کی موجوں سے لڑنا

طریقے یہ جینے کے کس نے سکھائے
یہ گر آدمیّت کے کس نے بتائے
یہ اخلاق تعلیم سے کس کی پائے
کہ شیدا ہوئے جس پہ اپنے پرائے
کیا اس طرح خاک کو پاک کس نے
بنایا نڈر اور بے باک کس نے

بنایا ہمیں خیرِ اقوام کِس نے
دِکھائی ہمیں راہِ اسلام کس نے
سنایا ہمیں حق کا پیغام کس نے
دیے ہم کو توحید کے جام کس نے
طریقے یہ خدمت کے کس نے بتائے
یہ گر کامیابی کے کس نے سکھائے

محبّت کی یہ ریت کس نے سِکھائی
بنے سارے انسان آپس میں بھائی
نئی زندگی کس سے دُنیا نے پائی
بدل سی گئی کیسے ساری خُدائی
نہ باقی رہا فرق کچھ ان میں اصلا
برابر ہوئے سب غلام اور آقا

ہمیں علم کا شوق کس نے دِلایا
جہالت کے پھندے سے کس نے چھڑایا
سعادت کے زینے پہ کس نے چڑھایا
جواب اس کا نیّر کے لَب پر یہ آیا
وہ اشرف، وہ افضل، وہ اکرم، وہ امجد
محمدؐ، محمدؐ، محمدؐ، محمدؐ

گل دستہ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم : قیامت کے دن مومن کے اعمال میں خوش اخلاقی سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہوگی۔

مرسلہ: محمد عاقل احمد خاں، پرانا سکھر

حضرت فاطمہؓ : قناعت وہ سرمایہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مرسلہ: عفان لیاقت علی، سکھر

حضرت عمر فاروقؓ : تھوڑی دنیا لوگے تو آزاد رہوگے، زیادہ لوگے تو پابند ہو جاؤگے۔

مرسلہ: حنیف اور شریف بلوچ، ملیر

افلاطون : بُری نیت والا وہ شخص ہے جو لوگوں کی برائی تو ظاہر کرے، مگر نیکی چھپائے۔

مرسلہ: شاہد شفیق، کراچی

شیکسپیئر : لوہا صرف لڑائی کے وقت سونے سے زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے، مگر عقل ہر جگہ سونے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ مرسلہ: شازیہ ظہیر، لاہور

بیکن : آدمی پڑھنے سے بیدار، بول چال سے ہوشیار اور لکھنے سے سمجھ دار بنتا ہے۔

مرسلہ: نعیم احمد، کراچی

رحمٰن بابا : پھول بویا کرو کہ تمھارے آس پاس پھول اُگیں۔ کانٹے نہ بویا کرو کہ تمھارے پاؤں میں چبھ جائیں۔

مرسلہ: اختر رسول انجم، لسبیلہ ڈام بندر

ہربرٹ اسپنسر : اس شخص سے بچو جو اپنی بُرائیاں لوگوں میں بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

جبران خلیل جبران : سخاوت یہ ہے کہ کھلے ہاتھ سے دو اور بے نیازی یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے کم لو۔

مرسلہ: عظمیٰ رحمٰن، اسلام آباد

پریم چند : صندل کے درخت میں بے شمار سانپ لپٹے ہوتے ہیں، لیکن ان کا زہر صندل پر اثر نہیں کرتا۔ مرسلہ: انیلا یوسف بھٹی، کراچی

ڈٹمریچ : قسمت ہمیں دو طریقوں سے تباہ کرتی ہے۔ ہماری آرزوؤں کو پورا نہ کر کے اور انھیں پورا کر کے۔ مرسلہ: شبانہ صدیقی، دولت پور صفن

اسٹین اوسیلے : کوشش کرنے والے کو ہر چیز مل جاتی ہے، یہاں تک کہ انصاف بھی۔

مرسلہ: شہر بانو انصاری، ملتان

جانسن : اچھی چیز حاصل کرنا ہی خوبی نہیں، اس کا بہتر استعمال خوبی ہے۔ مرسلہ: قدسیہ یاسمین، بھکر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خُوش مزاجی

حکیم محمد سعید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش مزاج تھے، ملاقاتیوں سے مسکراتے ہوئے ملتے۔ خادموں سے بھی کبھی کبھی پُرمذاق گفتگو فرماتے۔ چھوٹے بچّوں کے ساتھ کھیلتے اور اُنھیں کھلاتے۔ ایک ننھے صحابی حضرت عُمیر سے بھی دل خوش کرنے والی بات کہتے۔ حضرت انس رضؓ کو "دو کان والا" کہہ کر خوش مزاجی کا اظہار فرماتے۔ ایک شخص نے آپؐ سے اُونٹ مانگا تو آپؐ نے اس سے فرمایا، "میں اُونٹنی کا بچّہ دوں گا۔" اُس نے کہا، "میں اُونٹنی کے بچّے کا کیا کروں گا۔ آپؐ مجھے اُونٹ دے دیں۔" آپؐ نے فرمایا کہ کیا اُونٹ اُونٹنی کا بچّہ نہیں ہوتا؟ اس جواب پر اُس کو بے حد مسرّت ہوئی۔ اسی طرح ایک بڑھیا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس نے کہا کہ میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنّت میں جگہ دے۔ آپؐ نے فرمایا، "بوڑھی عورت تو جنّت میں نہیں جائے گی۔" وہ عورت بہت پریشان ہوئی۔ اس نے بہت افسردہ ہو کر پوچھا، "بوڑھی عورت جنّت میں کیوں نہیں جائے گی؟" آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بوڑھی کو جنّت میں جوان بنا کر داخل کرے گا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچّوں، نوجوانوں اور بوڑھوں سے اکثر ایسی باتیں فرماتے جن سے آپؐ کی خوش مزاجی کا اظہار ہوتا۔ سنجیدگی اور وقار الگ چیز ہے اور مزاج کی شگفتگی علاحدہ صفت ہے۔ یہ دونوں باتیں ایک انسان میں ہونی چاہییں۔ چوں کہ آپؐ ساری دنیا کے انسانوں کے ہادی اور رہبر تھے اس لیے اُن تمام اخلاقی اچھائیوں کا بہترین نمونہ آپؐ کی پاک زندگی میں ملتا ہے، جن کی وجہ سے لوگ پسند کیے جاتے ہیں اور دُنیا میں مقبول ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب اور ساری دنیا کے محبوب تھے۔ آپؐ کی سچّائی کا اثر تھا کہ لوگ آپؐ سے محبت بھی کرتے اور ادب و احترام بھی۔ ایسا ادب اور ایسی عزّت کہ دُنیا کے کسی بادشاہ کی بھی نہیں ہوئی۔

آپؐ کے ساتھی (صحابۂ کرام) دل کی جس گہرائی سے آپؐ سے محبت کرتے اور حکم کی تعمیل کرتے دُنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ آپؐ کے ہر حکم پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے۔

آپؐ کے حکم کی تعمیل کو اللہ کی اطاعت سمجھتے۔ صحابہ کی نظریں ہمیشہ آپؐ کے مبارک لبوں کی جنبش پر ہوتیں اور وہ ہر بات غور سے سنتے، جب گفتگو فرماتے تو نہایت صفائی سے بولتے۔ اگر کوئی ایک ایک لفظ شمار کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ جب مجلس میں جاتے تو ساری مجلس ادب کی وجہ سے خاموش ہو جاتی۔ آپؐ بولتے تو سارے لوگ کان لگا کر بڑے غور سے سنتے۔

آپؐ کی محفل میں ایک کافر آیا اور جب وہ اپنے ساتھیوں میں لوٹ کر گیا تو اُن سے کہا، "اے قوم کے لوگو! اللہ کی قسم مَیں نے ایران اور رُوم کے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے مگر ان میں سے کسی کو اتنا بارُعب اور باوقار نہ دیکھا جتنے حضرت محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہیں، اور میں نے کسی سے اتنی محبّت کرنے والے لوگ نہیں دیکھے، جس قدر محبّت حضرت محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر ایمان لانے والے کرتے ہیں۔ جب وہ مسلمانوں کو کوئی حکم دیتے ہیں تو اُسے پورا کرنے کے لیے مسلمان دوڑتے ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے صحابہؓ اپنی گفتگو کا سلسلہ بند کر دیتے ہیں۔ مسلمان اُن کے رُعب، وقار اور دبدبے کی وجہ سے آنکھیں ملا کر اُن سے بات نہیں کر سکتے۔" فتح مکّہ کے بعد ایک عورت آپؐ کے پاس آئی، مگر رُعب کی وجہ سے بات نہ کر سکی تو آپؐ نے بڑی عاجزی اور انکسار کے ساتھ فرمایا، "میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں بلکہ تمھاری طرح قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔" یہی وہ باتیں تھیں جنھوں نے آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا۔

اگلے شمارے میں

بچوں کے مقبول و ممتاز اور بزرگ ادیب جناب میرزا ادیب نے نونہال کے لیے ایک بالکل نئی، مزے دار، سنسنی خیز حیرت انگیز کہانی لکھی ہے۔ "یہ گدھا کہانی" کئی قسطوں میں پوری ہو گی۔ پہلی قسط اگلے شمارے میں پڑھیے اور ایک گدھے کے کمالات دیکھیے۔

"مونٹی کرسٹو کا نواب" نے اب نیا موڑ لیا ہے۔ فاریا کے مرنے کے بعد ایڈمنڈ کی ذہانت نے کیا گل کِھلائے اور وہ کن خطرناک مرحلوں سے گزرا۔ پانچواں ٹکڑا پڑھیں تو پتا چلے ـــــ اور کئی دل چسپ و معلوماتی تحریریں۔

کتاب

فیض لودھیانوی

ہر دم علم سکھاتی ہے
عقل کے راز بتاتی ہے
پیارا نام کتاب ہے اس کا
معلومات بڑھاتی ہے

کوئی بچّہ ہو یا بوڑھا
سب کو یکساں بھاتی ہے
دادا ابّا مول اگر لیں
پوتے کے کام آتی ہے

گھر بیٹھے ہی دُنیا بھر کی
ہم کو سیر کراتی ہے
اگلے وقتوں کے لوگوں کا
سارا حال سُناتی ہے

اس کی دانائی تو دیکھو
جو پوچھو سمجھاتی ہے
جاہل سے جاہل کو آخر
قابل شخص بناتی ہے

دل کی آنکھیں روشن کر کے
حق کی راہ دکھاتی ہے
فیاضی سے دین کی دَولت
صبح و شام لُٹاتی ہے

پڑھنے والے خوش ہوتے ہیں
اُن کا رنج مِٹاتی ہے
تنہائی میں ہمدم بن کر
فیض ہمیں پہنچاتی ہے

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

ADARTS HNTP 2 88

دانہ دانہ

خاک اور پاک

مرسلہ : تشنہ سحر انمول، کراچی

ایک نیک نوجوان علم حاصل کرنے روم پہنچا۔ لوگ اس کے اعلا اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے اور اسے عزت و احترام کے ساتھ ٹھیرایا۔ ایک دن مسجد کے امام نے اس سے کہا کہ مسجد سے خاک اور گرد صاف کر دو۔ امام کی بات سن کر نوجوان مسجد سے باہر چلا گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔ امام صاحب اور دوسرے لوگوں نے یہ سمجھا کہ نوجوان مسجد کی خدمت نہیں کرنا چاہتا، اسی لیے غائب ہو گیا ہے۔ دوسرے دن مسجد کے ایک خادم نے اسے راستے میں پکڑ لیا اور کہا، "اے متکبر نوجوان! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ خدمت کے بعد ہی کسی مرتبے پر پہنچتے ہیں۔"

نوجوان اس کی باتیں سن کر رو دیا اور کہنے لگا، "اے میرے قابلِ احترام دوست! حقیقت یہ ہے کہ میں نے مسجد میں خاک اور گرد بالکل نہیں دیکھی، اس لیے میں یہی سمجھا کہ میں ہی اس پاک جگہ میں خاک آلود ہوں۔ سو میں مسجد سے باہر آ گیا تاکہ اللہ کا گھر خس و خاک سے پاک ہو جائے۔"

کچھ سنو ہماری بھی

مرسلہ : محمد خرم معراج، پرانا سکھر

بس میں سوار ہونے کے بعد ایک عجیب حالت ہوتی ہے۔ ہر کوئی اپنی ہی آوازوں میں تان سین بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم لاکھ کہیں کہ بھائی کچھ ہماری بھی سن لو مگر کنڈکٹر صاحب کو شاید اس دن دنیا فتح کرنی ہوتی ہے۔ نتیجتًہ ہم ٹکٹ کے پیسے دیے بغیر بس سے اُتر آتے ہیں کہ بھائی یہ دنیا بڑی "بے بس" ہے۔

ابنِ انشا

پرہیزگار عابد

مرسلہ : شازیہ نور، ملیر ہالٹ، کراچی

حضرت ابوالخیر دیلمی فرماتے ہیں میرے پڑوس میں ایک بہترین کپڑا بُننے والا رہتا تھا جو بڑا عابد اور پرہیزگار تھا۔ ایک روز اس کے پاس ایک عورت آئی اور کہا، "مجھے اچھا سا رومال بُن دیجیے۔" اس نے کہا، "بہت اچھا۔" اُجرت پوچھی تو دو درہم

بتائے۔ عورت نے کہا، "اس وقت تو میرے پاس نہیں ہیں۔ میں کل آپ کو دے جاؤں گی۔" اس نے کہا، "اگر کل میں گھر میں نہ ہوں تو ان درہموں کو دریائے دجلہ میں ڈال دینا مجھے مل جائیں گے۔"

چناں چہ دوسرے دن وہ عورت اسے گھر میں نہ پاکر درہموں کو کپڑے میں لپیٹ کر دریا میں ڈال آئی۔ اسی وقت ایک کیکڑا پانی کی سطح پر نمودار ہوا اور اس کپڑے کو پکڑ کر نیچے چلا گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وہی شخص وضو کرنے آیا تو وہی کیکڑا پانی کی سطح پر نمودار ہوا۔ میں نے دیکھا کہ درہموں والا کپڑا اس کے منھ پر تھا اور وہ کنارے کی طرف آرہا تھا۔ جب وہ کنارے پر پہنچا تو اس شخص نے وہ درہم اُٹھالیے اور کیکڑا پھر پانی میں غائب ہوگیا۔ میں نے اس سے یہ سارا واقعہ بیان کرکے کہا کہ میں نے تمھاری یہ ساری کرامت دیکھ لی ہے۔ وہ مسکراکر کہنے لگا کہ میری زندگی میں یہ راز ظاہر نہ کرنا، چناں چہ میں نے اس سے وعدہ کرلیا۔

اُتاروں جوتا

مرسلہ: ناظم محی الدین، کراچی

مشہور شاعر اختر شیرانی لاہور کے انار کلی بازار میں جوتوں کی ایک مشہور دُکان پر جوتے خریدنے گئے۔ دکان دار نے ان کے سامنے جوتوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اختر شیرانی نے ایک ایک جوڑا دیکھا، مگر کوئی پسند نہیں آیا۔ قیمتوں پر بھی انھیں اعتراض تھا۔ دُکان دار طنزیہ لہجے میں بولا، "اتنے جوتے پڑے ہیں۔ آپ اب بھی مطمئن نہیں ہوئے؟"

اختر شیرانی ایک جوتا پہنتے ہوئے بولے: "بارہ رُپے لیتے ہو یا اُتاروں جوتا؟"

ماڈرن ڈکشنری

مرسلہ: محمد سراج رئیسی، کراچی

- ڈسپلن: اچھی چیز ہے، مگر دوسروں کے لیے۔
- کفن: نئی دنیا کے لیے سرکاری وردی۔
- بل: ہوٹل میں سب سے بدمزہ چیز۔
- اشتہار: عوام کو لُوٹنے کا آسان طریقہ۔

جنگ

مرسلہ: غلام حسین میمن، حیدرآباد

"جنگ ایک سڑی ہوئی متعفن لاش کی علامت ہے اور امن ایک مہکتا ہوا پھول۔ واہگہ کی سرحد ہو یا سیالکوٹ کا محاذ، بھارتی سپاہی کی جان جائے یا پاکستانی مجاہد شہید ہو۔ ان کے کنبے پر ایک سی تباہی و بربادی آتی ہے۔ ان باتوں پر کون غور کرے۔ کون سمجھائے۔ اس وقت ہمیں اعلا معیار کے ایسے مفکّروں کی ضرورت ہے جو جنگ و امن کے سلگتے ہوئے مسائل پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور انسانی آلام و مصائب پر ہمدردی سے سوچیں اور یاد رکھیں کہ جنگیں

ہمیشہ قوموں کی نہیں، بلکہ جبلتوں کی ہوتی ہیں۔
بیگم حجاب امتیاز علی

مطالعہ

مرسلہ: رابعہ انصاری، کراچی

ایک پڑھا لکھا آدمی اگر تین دن کچھ نہ پڑھے تو اسے اپنی گفت گو بے ذائقہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ مطالعہ مسرت و خوشی کا باعث ہے۔ اس سے زندگی کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، کیوں کہ مطالعے کی ایک گھڑی انسان کو دنیا کے چند گھنٹوں کی اُلجھنوں سے نجات دلاتی ہے اور مطالعہ ہر شخص کا بہترین ساتھی اور رفیق ہے۔

لنکن کا جواب

مرسلہ: محمد عاطف مرزا، ملتان

ابراہام لنکن امریکا کے صدر تھے۔ انھوں نے معمولی حیثیت سے ترقی کی اور سربراہِ حکومت بنے۔ اس کے باوجود وہ اکثر اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اُس وقت کے برطانیہ کے سفیر امریکی صدر سے ایوانِ صدر میں ملاقات کرنے کے لیے آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ امریکی صدر اپنے جوتے پالش کر رہے ہیں۔ سفیر برطانیہ نے حیرت سے پوچھا: "صدر صاحب! کیا آپ جوتے خود پالش کرتے ہیں؟" صدر لنکن نے جواب دیا: "جی ہاں میں اپنے جوتے خود پالش کرتا ہوں۔ کیا آپ دوسروں کے جوتے پالش کرتے ہیں؟"

پُرکشش بنیے

مرسلہ: انیلا یوسف بھٹی، کراچی

آپ اگر اپنی شخصیت پرکشش بنانا چاہتے ہیں اور دوسروں کو متاثر کرنا چاہتے ہیں تو پھر درج ذیل چند باتوں پر عمل کریں۔ اپنے لباس کا ہمیشہ خیال رکھیں، دوسروں سے اخلاق سے پیش آئیں، کسی سے زیادہ بے تکلف نہ ہوں، زیادہ نہ ہنسیں، کسی کو گالی نہ دیں، کسی کو اپنی خامیوں سے آگاہ نہ کریں۔

دو رُخ

مرسلہ: ذیشان الحق عزیز، پشاور

زندگی کے بس دو ہی پہلو ہیں۔ زندہ دلی اور مُردہ دلی۔ ایک وہ لوگ ہیں جو مصیبت میں بھی ہنستے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو خوشی میں بھی روتے ہیں۔ ایک مَرنے کو جینا سمجھتے ہیں اور دوسرے جینے کو مرنا۔ زندگی کے انھی دو پہلوؤں نے کبھی مذہب کی شکل اختیار کی، کبھی فلسفے کی اور کبھی مکتبوں کی صورت۔ غرض دنیا بھر کے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک روتی صورت دوسری ہنستی صورت۔ کوئی انشا بنا اور کوئی میر۔

علم کے بارے میں

مرسلہ : حامد علی شاہد ، لادہ

- علم نفع حاصل کرنے کے لیے سیکھا جائے تو دل میں گھر نہیں کرتا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ
- جو علم کا طالب ہے اس کے دل میں علم کی قدر، سکونِ قلب اور اللہ کا خوف ہونا ضروری ہے۔ امام مالکؒ
- علم ایک حقیقت ہے اور جہل عدمِ علم۔ حضرت مجدّد الف ثانی
- طلبِ علم سے شرم مناسب نہیں، کیوں کہ جہالت زیادہ باعثِ شرم ہوتی ہے۔ افلاطون
- علم سکون کا باعث ہے اور دولت سکون کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ ارسطو
- علم اگر سینوں میں بند ہو جائے تو تباہ ہو جاتا ہے۔ البیرونی
- علم وہ خزانہ ہے جو کبھی خالی نہیں ہوتا۔ ابن بطوطہ
- علم کو روٹی کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ علم اپنا آپ صلہ ہے۔ اقلیدس
- علم دل کو ایسے سیراب کرتا ہے جیسے بارش خشک زمین کو۔ لقمان

بے موقع سچ

مرسلہ : عبدالرشید اچکزئی، چمن

جھوٹ بولنا بہت بُری عادت ہے۔ جھوٹے آدمی کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ سچ کو سب پسند کرتے ہیں اور سچے آدمی کی قدر کی جاتی ہے، لیکن سچ بولنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ موقع بے موقع سچی بات کہی جائے۔ موقع سے مُراد یہ ہے کہ اگر سچ بولنے سے کسی کا نقصان ہوتا ہے یا لڑائی جھگڑے یا فساد کا اندیشہ ہو تو اس وقت زبان کھولنے سے اچھا ہے کہ آدمی خاموش رہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی جھوٹ بولے۔ لیکن اگر سچ بولنے کا مقصد نقصان پہنچانا یا فساد پیدا کرنا ہو تو یہ سچائی نہیں ہوئی۔

ایسے موقعوں پر کوشش کرنی چاہیے کہ آدمی چُپ رہے یا وہاں سے ٹل جائے۔ چچا سعدی نے فرمایا ہے، "فتنہ پیدا کرنے والی سچائی سے وہ جھوٹ اچھا ہے جو بھلائی کے لیے ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جھوٹ اچھی چیز ہے۔ جھوٹ بہر حال بُری عادت ہے۔ صرف ان موقعوں پر جھوٹ بولنا بُرا نہیں ہے، جب اس سے کسی کو فائدہ ہوتا ہو اور وہ بھی جائز فائدہ، ورنہ آدمی کو ہر وقت سچ بولنا چاہیے۔"

حکیم محمد سعید

ہمدرد انسائکلوپیڈیا

س: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پانی سے بجلی کیسے پیدا کی جاتی ہے؟
خالد حسین جسرانی، شہداد کوٹ

ج: پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ پانی کا بجلی سے کوئی تعلق نہیں، یعنی یہ نہیں کہ بجلی پانی میں کہیں چھپی تھی، وہاں سے نکل آئی، بلکہ پانی کو محض ایک قوت کے طور پر ایک پہیئے گھمانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ آبشار یا اونچائی سے گرتے ہوئے پانی میں بڑا زور ہوتا ہے، لہٰذا ان ملکوں میں بجلی عام ہے جہاں قدرتی آبشاروں کی زیادتی ہے۔ جہاں یہ آبشار نہیں ہیں وہاں دریاؤں کا پانی روک کر یا ڈیم بنا کر نیچے گرایا جاتا ہے اور اس کی قوت سے ایک پہیا گھمایا جاتا ہے۔ اس پہیئے کے گھومنے سے تار کے سیکڑوں لچھے (آرمیچر) مقناطیس کے دو عظیم قطبین کے درمیان تیزی سے گھومتے ہیں اور یوں بجلی پیدا ہو جاتی ہے، کیوں کہ بجلی اور مقناطیسیت کے درمیان قدرتی طور پر ایک تعلق پایا جاتا ہے۔ ایک سے دوسرے کو پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس انتظام کو جنریٹر کہتے ہیں اور یہ عمارت پاور اسٹیشن کہلاتی ہے۔

س: ہم اکثر ٹیلے وژن پر سنتے ہیں کہ فلاں میچ مواصلاتی سیارے کے ذریعہ سے دکھا رہے ہیں تو یہ مواصلاتی سیارہ کیا ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے ہم دُور کے پروگرام براہِ راست کیسے دیکھ لیتے ہیں؟
آصف سلیم، کراچی

ج: چاند زمین کے چاروں طرف گھومتا ہے، اس لیے وہ ہماری زمین کا قدرتی سیارچہ یا سیارہ ہے۔ پھر انسانوں نے ایسا کُرہ بنا لیا جو اسی اصول پر زمین کے چاروں طرف گھومتا ہے۔ اسے مصنوعی سیارہ کہتے ہیں، کیوں کہ وہ انسان کا بنایا ہوا ہے، قدرتی نہیں ہے۔ پہلا مصنوعی سیارہ "اسپوتنک اوّل" روسی سائنس دانوں نے ۱۹۵۷ء میں چھوڑا تھا۔ "ٹل اسٹار اوّل" پہلا مواصلاتی سیارہ تھا جو ۱۹۶۲ء میں چھوڑا گیا اور جس سے پہلی مرتبہ یورپ اور امریکا کے درمیان ٹیلے وژن پروگرام دیکھے گئے۔ اَرلی برڈ سیارے بھی اسی مقصد سے چھوڑے گئے تھے۔ سائنس دانوں

نے معلوم کیا کہ اگر کسی سیارے کو زمین سے تقریباً ۳۵،۰۰۰ کلومیٹر کی اونچائی پر اس طرح چھوڑا جائے کہ وہ زمین کے چاروں طرف چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر پورا کرلے تو گویا وہ ایک جگہ ٹھیرا رہے گا حالاں کہ وہ تیزی سے گھوم رہا ہوگا۔ ٹیلے وژن کی لہریں ہماری زمین کی گولائی کے ساتھ نہیں مڑتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دوسرے ملکوں کے پروگرام نہیں دیکھ سکتے، لیکن اگر یہ پروگرام مصنوعی سیارے کی طرف بھیجے جائیں اور وہ انھیں زمین کے کسی دوسرے ملک کی طرف واپس کردے تو وہاں پہلے ملک کے یہ پروگرام دیکھے جاسکیں گے۔ یہ ہے وہ اصول جو دنیا کے کسی دوسرے ملک میں ہونے والے میچ کو دکھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

س: پریشر ککر کس اصول پر کام کرتا ہے؟ سیدہ اعزاز فاطمہ، کراچی

ج: یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہماری زمین کے چاروں طرف ہوا کا غلاف لپٹا ہوا ہے جس میں وزن ہے اور جو ہر چیز پر دباؤ ڈالتا رہتا ہے۔ اسے ہوائی دباؤ کہتے ہیں۔ سطح سمندر پر ہوائی دباؤ پندرہ پونڈ فی مربع انچ کے قریب پڑتا ہے۔ پارے کے کالم کی اونچائی کے حساب سے عام ہوائی دباؤ کو ۷۶۰ ملی میٹر سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اتنے دباؤ پر پانی ۱۰۰ درجے سینٹی گریڈ پر کھولتا ہے۔ لیکن اگر یہ دباؤ کم کرکے ۲۳٫۷ ملی میٹر کردیا جائے تو پانی ۲۵ ڈگری سینٹی گریڈ پر ہی کھولنے لگے گا یعنی ہوائی دباؤ کم ہونے سے پانی کا نقطۂ جوش کم ہوجاتا ہے اور زیادہ کردینے سے بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہوا کا دباؤ بڑھا کر ۱۴۸۹ ملی میٹر کردیا جائے تو پانی ۱۰۰ ڈگری کی بجائے ۱۲۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر کھولے گا۔

پریشر ککر میں اس اصول سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ وہ چاروں طرف سے اچھی طرح بند ہوتا ہے، اس لیے بھاپ اندر بند ہوکر دباؤ میں اضافہ کردیتی ہے جس سے پانی کا نقطۂ جوش اونچا ہوجاتا ہے۔ زیادہ پریشر اور زیادہ اونچے نقطۂ جوش کی وجہ سے اندر پکنے والی غذا جلد گل جاتی ہے اور پریشر ککر میں کھانا بہت جلد پک کر تیار ہوجاتا ہے۔

س: کیا نارتھروپ طیارہ ریڈار پر نظر نہیں آتا؟ اگر ایسا ہے تو کیوں نظر نہیں آتا، کیوں کہ دوسرے طیارے تو ریڈار پر نظر آتے ہیں۔ اشفاق نسیم اور ریاض نسیم، میاں چنوں

ج: ریڈار کے پردے پر سب طیارے نظر آتے ہیں بشرطیکہ وہ اُس کی رینج یا دائرے میں ہوں۔

کہاوتوں کی کہانیاں

رؤف پاریکھ

اونٹ کے گلے میں بلّی، دودھ کا دودھ پانی کا پانی، یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے، اندھیر نگری چوپٹ راجا، ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا، اس قسم کے عجیب جملے آپ اپنے بڑے بوڑھے اور بزرگوں سے اکثر سنتے ہوں گے۔ ایسے جملوں کو کہاوت یا ضرب المثل یا مختصراً صرف مَثَل کہا جاتا ہے۔ کہاوت کسی واقعے یا بات میں چھپی ہوئی سچائی یا عقل کی بات کو سمجھانے کے لیے بولی جاتی ہے۔

کہاوتیں بڑی دل چسپ اور مزے دار ہوتی ہیں۔ ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی کہانی بھی ہوتی ہے۔ آج ہم آپ کو کچھ کہاوتیں، ان کا مطلب اور ان کی کہانیاں سناتے ہیں، مگر ایک بات یاد رکھیے گا۔ یہ کہانیاں ضروری نہیں کہ سچ ہی ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کہاوت مشہور ہوئی تو لوگوں نے اس کی کہانی بنالی۔ ہاں ان کہانیوں سے یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ کہاوتوں کا مطلب، ان کا صحیح استعمال اور ان میں چھپا ہوا سبق یا دانش مندی کی بات ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔

اپنا اُلّو کہیں نہیں گیا

مطلب یہ کہ کوئی نقصان اٹھائے یا فائدہ ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہماری بات یوں بھی سچ ہے اور سچ رہے گی۔ یہ کہاوت اس موقعے پر بولی جاتی ہے جب کسی بے وقوف آدمی سے اپنا مقصد پورا ہوجاتا ہو۔

اس کی کہانی یوں ہے کہ ایک بادشاہ کے دربار میں ایک اجنبی شخص آیا اور اس نے خود کو گھوڑوں کا بہت بڑا سوداگر ظاہر کیا۔ بادشاہ نے اسے ایک لاکھ رُپیہ دیا اور کہا کہ ہمارے لیے عرب کے عمدہ نسل کے گھوڑے لے کر آنا۔ سوداگر رُپیہ لے کر چلتا بنا۔ یہ بات ایک شخص کو معلوم ہوئی تو اس نے اپنے روزنامچے میں لکھا، "بادشاہ اُلّو ہے۔" اس گستاخی پر بادشاہ نے اس شخص کو دربار میں طلب کر کے اس کی وجہ پوچھی تو وہ شخص کہنے لگا، "حضور! آپ نے ایک اجنبی سوداگر کو بغیر سوچے سمجھے ایک لاکھ رپیہ دے دیا ظاہر ہے کہ وہ اب واپس آنے سے رہا۔"

بادشاہ نے کہا، "اور اگر وہ واپس آگیا تو؟"

اس شخص نے فوراً جواب دیا، "تو میں آپ کا نام کاٹ کر اس کا نام لکھ دوں گا۔ اپنا اُلّو کہیں نہیں گیا۔"

ٹیڑھی کھیر ہے

یعنی مشکل کام ہے۔ یہ کہاوت ایسے وقت بولتے ہیں جب کوئی ٹیڑھا اور بہت مشکل کام سر پر آن پڑے۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کھیر پکائی۔ سوچا اللہ کے نام پر کسی فقیر کو بھی تھوڑی کھیر دینی چاہیے۔ اسے جو پہلا فقیر ملا وہ اتّفاق سے نابینا تھا اور اس فقیر نے کبھی کھیر نہیں کھائی تھی۔ جب اس شخص نے فقیر سے پوچھا، "کھیر کھاؤ گے؟" تو فقیر نے سوال کیا، "کھیر کیسی ہوتی ہے؟" اس شخص نے جواب دیا، "سفید ہوتی ہے۔" اندھے نے سفید رنگ بھلا کہاں دیکھا تھا۔ پوچھنے لگا، "سفید رنگ کیسا ہوتا

ہے ؟" اس شخص نے کہا، "بگلے جیسا۔" فقیر نے پوچھا، "بگلا کیسا ہوتا ہے ؟" اس پر شخص نے ہاتھ اُٹھایا اور انگلیوں اور ہتھیلی کو ٹیڑھا کر کے بگلے کی گردن کی طرح بنایا اور بولا، "بگلا ایسا ہوتا ہے۔"

نابینا فقیر نے اپنے ہاتھ سے اس شخص کے ہاتھ کو ٹٹولا اور کہنے لگا، "نا بابا، یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ گلے میں اٹک جائے گی۔ میں یہ کھیر نہیں کھا سکتا۔"

اونٹ کے گلے میں بلّی

مطلب یہ کہ فالتو چیز کی قیمت کام کی چیز سے زیادہ ہے۔ یہ ایسے وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص ضروری چیز کے ساتھ غیر ضروری چیز خریدنے کی شرط رکھے یا ایک مفید کام کے ساتھ نقصان دہ کام لازم ہو جائے۔

اس کہاوت کی کہانی یہ ہے کہ ایک شخص کا اونٹ کھو گیا۔ اس نے اونٹ کو بہت تلاش کیا۔ سارا شہر چھان مارا پر اونٹ کا کہیں پتا نہ چلا۔ اس پر اسے اتنا غصہ آیا کہ قسم کھالی کہ اگر اونٹ مل گیا تو ایک رُپے میں بیچ دوں گا۔ یہ بات چاروں طرف پھیل گئی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جلد ہی اس کا اونٹ مل گیا۔ لوگوں کو پتا چلا تو اس کا اونٹ

ایک رُپے میں خریدنے اس کے گھر پہنچے۔ اب تو وہ شخص بہت گھبرایا۔ ایک دوست سے مشورہ کیا۔ اس عقل مند دوست نے اسے مشورہ دیا کہ اونٹ کے گلے میں لمبی سی رسّی باندھو اور رسّی کے دوسرے سرے پر ایک بلّی باندھ دو۔ اونٹ کی قیمت تو بے شک ایک ہی رُپیہ رکھو، لیکن بلی کی قیمت ایک سو رُپے رکھو۔ خریدار کے لیے ضروری ہو کہ وہ اونٹ کے ساتھ بلّی بھی خریدے۔ صرف اونٹ اکیلا نہیں بیچا جائے گا۔" اس نے ایسا ہی کیا۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو ہنستے ہوئے یہ کہہ کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے کہ یہ تو اونٹ کے گلے میں بلّی ہے۔ اور یہ کہاوت مشہور ہوگئی۔

چور کے گھر مور یا چور کو مور پڑنا

یعنی خود چور کے گھر چوری ہوگئی۔ یہ کہاوت اس وقت بولی جاتی ہے جب کوئی شخص بے ایمان کے ساتھ بے ایمانی کرے یا کسی ٹھگ کو کوئی شخص ٹھگ لے۔

مور ایک ایسا پرندہ ہے جو چھوٹے موٹے سانپ کھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ایک چور نے ایک قیمتی ہار چوری کیا اور گھر میں لا کر ایک طرف ڈال دیا۔ گھر میں مور تھا۔ مور نے ہار کو سانپ سمجھ کر نگل لیا۔ چور نے یہ معاملہ دیکھا تو بولا، "بہت خوب! چور کے گھر مور۔" اس کہاوت کو یوں بھی بولتے ہیں، "چور کو مور پڑ گئے۔"

ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں

یہ کہاوت اس وقت بولی جاتی ہے جب کوئی شخص اپنے آپ کو زبردستی بڑے اور مشہور آدمیوں کے ساتھ شامل کرکے یا تھوڑا اور چھوٹا کام کرکے مشہور ہونا چاہے۔

کہتے ہیں کہ چار آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر دکن جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک کمہار بھی گدھے پر سوار جا رہا تھا۔ کسی نے پوچھا، "یہ سوار کہاں جاتے ہیں"؟ اس پر کمہار نے خود کو بھی شامل کرتے ہوئے کہا، "ہم پانچوں سوار دکن کو جاتے ہیں۔"

انوکھا تحفہ

صلاح الدین عبّاسی، سکھر

ننھا کرسٹل ایک بہت ہی خوب صورت اور پیارا ہرن تھا۔ جتنا وہ خوب صورت تھا اتنا ہی نیک بھی تھا۔ اس کے ماں باپ اور تمام جانور اس سے بے حد خوش تھے۔ ویسے تو اس کے کئی دوست تھے جن میں سِلی خرگوش، ہنش ہنش بِلاّ، نانی چوہا، بُھد بُھد بھالو وغیرہ شامل تھے، لیکن ابھی کچھ دن پہلے ہی اس کا ایک نیا دوست بنا تھا جو ایک بے حد پیارا اور شریر بندر تھا۔ اس کا نام تھا "رین رین"۔

رین رین جلد ہی کرسٹل کا اچھا دوست بن گیا۔ ان دونوں کا مزاج چوں کہ ایک جیسا تھا اس لیے دونوں کی خوب بنتی تھی۔ وہ دونوں مل کر جنگل میں اِدھر اُدھر دوڑتے رہتے تھے اور وقت پڑنے پر ہر ایک کی مدد بھی کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً کبھی بچا چیتے کے لیے حکیم توتے سے دوا لا دیتے تو کبھی میاں ہُد ہُد کے لیے مرہم لا دیتے۔ ان دونوں

سے ہر جانور خوش تھا۔
ایک دن کا ذکر ہے۔ ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا۔ دو ایک تارے بھی نکل چکے تھے جو بڑی بے چینی سے چاند کا انتظار کر رہے تھے۔ اس وقت کرسٹل اکیلا پیپل کے ایک بڑے درخت کے نیچے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا۔ اس وقت بُھد بُھد بھالو اپنے اتّو کے لیے چورن لینے حکیم توتے کے پاس جا رہا تھا، کیوں کہ اس کے اتّو کے گلے میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی۔ اس نے کرسٹل کو یوں گہری سوچ میں ڈوبا دیکھا تو مسکراتا ہوا بولا:
"کیا بات ہے کرسٹل؟ کس سوچ میں گم ہو؟"
کرسٹل چونکتا ہوا بولا: "ارے بھد بھد، تم کہاں رہے اتنے دن؟"
بھد بھد بولا: "بس ذرا خالہ سے ملنے چلا گیا تھا۔ تم بتاؤ کہاں کھوئے ہوئے ہو؟"
کرسٹل بولا: "کہیں نہیں بھائی، بس ایسے ہی بیٹھا تھا۔"
بُھد بُھد اس کے قریب بیٹھتا ہوا بولا: "ہاں بھئی، ہم رین رین تھوڑا ہی ہیں جو تم ہمیں اپنے دل کی بات بتاؤ گے۔"
کرسٹل ہنستے ہوئے بولا: "بھائی، ناراض کیوں ہوتے ہو۔ میں دراصل تمھیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"
بُھد بُھد نے کہا: "وہ دوست ہی کیا جو دوست کی پریشانی میں مدد نہ کرے۔ اب بتاؤ کیا بات ہے۔"
کرسٹل چند لمحے کسی گہری سوچ میں کھویا رہا پھر بولا: "بات یہ ہے کہ پرسوں رین رین کی سال گرہ ہے اور میں اسے کوئی تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"
بُھد بُھد قہقہہ لگاتے ہوئے بولا: "تو اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے، یہاں جنگل میں کالے کوّے کی دُکان پر ہر قسم کے نت نئے تحفے ملتے ہیں۔ وہیں سے کوئی تحفہ خرید لو۔"
کرسٹل منھ بناتا ہوا بولا: "تم میں بس یہی خرابی ہے کہ بغیر پوری بات سُنے اپنی ہانک دیتے ہو۔"
بھد بھد مسکرا کر بولا: "اچھا تو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

کرسٹل نے کہا، "میں چاہتا ہوں کہ رین ربن کو کوئی ایسا تحفہ دوں جو نہ کسی نے کبھی دیکھا ہو نہ سُنا ہو۔"

بُھد بُھد بُڑبُڑایا، "ایسا کیا تحفہ ہو سکتا ہے جو کبھی نہ کسی نے سُنا ہو اور نہ دیکھا ہو۔" دونوں گہری سوچ میں کھو گئے۔ اس طرح کافی دیر گزر گئی۔ اچانک بُھد بُھد نے سَر اُٹھایا اور بولا، "میرے ایک چچا ہیں وہ ....."

کرسٹل اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا، "اب میں تمھارے چچا کو تو تحفے میں دینے

سے رہا۔"
بُدبُد غصّے سے بولا "تم میں بس یہی ایک خرابی ہے کہ تم جو نصیحتیں دوسروں کو کرتے ہو اُن پر خود کبھی عمل نہیں کرتے۔"

کرسٹل نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا "اچھا بابا، معاف کرو۔ اپنی بات پوری کرو۔"

بُدبُد بولا "میرے ایک چچا ہیں وہ ماسک بناتے ہیں۔ اتنے خوف ناک ماسک کہ دیکھتے ہی گھگھی بندھ جاتی ہے۔ تم یوں کرو کہ وہ ماسک خرید کر ربن ربن کو تحفے میں دے ڈالو۔"

کرسٹل انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا "تمھیں شاید نہیں معلوم بھائی کہ ربن ربن بے حد بزدل بندر ہے۔ شام کو تو وہ گھر سے نکلتا ہی نہیں اور شام کو اپنے سائے کو دیکھ کر بھی ڈر جاتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ چچا چیتے کو بخار ہو گیا۔ میں نے ربن ربن سے کہا کہ وہ چچا چیتے کے پاس ٹھیرے اور میں حکیم توتے کو بُلا کر لاتا ہوں۔ مگر وہ چچا چیتے کے پاس رُکنے کا سُن کر ہی بُری طرح کانپنے لگا۔ میں نے یہ سوچ کر اسے ساتھ لے لیا کہ کہیں اسے بھی بخار نہ ہو جائے۔"

اچانک بُدبُد تیزی سے کھڑا ہو گیا اور بولا "ارے باپ رے! میں تو بھول ہی گیا۔ ابّو نے مجھے حکیم توتے کو بُلانے بھیجا تھا اور میں تمھاری پریشانی میں اُلجھ کر بھول گیا۔ اب میری خیر نہیں۔"

کرسٹل قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "اگر زندہ بچ جاؤ تو کل دوپہر کو شیر کے کچھار کے پاس پہنچ جانا۔ وہیں گراؤنڈ میں کرکٹ کھیلیں گے۔"

دوسرے دن دوپہر بہت خوش گوار تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ نیلے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ کرسٹل جب شیر کے کچھار کے پاس میدان میں پہنچا تو بُدبُد وہاں پہلے ہی موجود تھا۔ کرسٹل نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا "او ہو، تو تم زندہ ہو۔ تمھارے والد محترم نے کچھ نہیں کہا تمھیں؟"

بُدبُد بولا "میری خوش قسمتی تھی کہ بچ گیا۔ حکیم توتے کو اپنے کلینک کے لیے چندہ چاہیے تھا۔ وہ چندہ لینے ابّو کے پاس پہنچ گئے تھے۔ بس اس بات نے جان بچا دی۔"
دونوں نے خوب قہقہے لگائے۔ پھر کرسٹل بولا "چلو کھیل شروع کرتے ہیں۔"

بھد بھد بولا، "مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ اگر شبیر ہمارے شور سے جاگ گیا تو خیر نہیں۔"
کرسٹل نے کہا، "لگتا ہے تم میں رین رین کی روح سما گئی ہے۔ کیسی بزدلی کی باتیں کر رہے ہو۔"

بھد بھد کھسیانی ہنسی ہنس پڑا۔ کرسٹل نے ٹاس کیا اور پہلے بیٹنگ کی باری اُسی کی آگئی۔ اس نے بلّا سنبھالا اور بھد بھد کی گیند کا انتظار کرنے لگا۔ بھد بھد نے پہلی گیند پھینکی جو بجائے وکٹ کی طرف آنے کے درمیان میں ہی دوسری طرف گھوم گئی۔ کرسٹل نے چیخ کر کہا، "ارے بھد بھد میں یہاں ہوں۔ وہاں کہاں گیند پھینک رہے ہو۔"

بھد بھد نے دوسری گیند پھینکی جو بہت ہلکی تھی۔ کرسٹل نے آگے بڑھ کر جو بلّا گھمایا تو گیند ہوا میں اُچھلتی ہوئی شبیر کے کچھار میں چلی گئی۔ وہ دونوں دم بخود رہ گئے ساری شوخی ہوا ہو گئی۔ کافی دیر خاموشی کے بعد کرسٹل نے کہا، "اب کیا ہوگا؟"

بھد بھد لرزتا ہوا بولا، "شیر کے کچھار میں جانا خود کشی کرنا ہے۔ اب گیند کا خیال دِل سے نکال دو۔"

کرسٹل بولا، "واہ! یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں کوئی بزدل تھوڑا ہی ہوں۔ میں شبیر کے کچھار میں سے گیند ضرور لاؤں گا۔"

بھد بھد بولا، "غالباً تمھیں اپنی جان عزیز نہیں۔"

کرسٹل بے پروائی سے بولا، "جو چاہو سمجھو۔"

بھد بھد بولا، "اچھا تمھاری مرضی، میں تو چلتا ہوں۔"

بزدل بھد بھد کے جانے کے بعد کرسٹل سوچنے لگا کہ کیا ترکیب آزمائی جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ چند لمحے دماغ لڑانے کے بعد ایک ترکیب اس کے ذہن میں آگئی۔ کرسٹل نے اِدھر اُدھر سے چند چھوٹے چھوٹے پتھر لیے اور ایک بڑا پتھّر اُٹھا کر شبیر کے کچھار کے سامنے کچھ فاصلے پر درخت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے چھوٹے چھوٹے پتھّر کچھار کے اندر پھینکنے شروع کر دیے۔ کچھ دیر کے بعد اندر سے شبیر کے دہاڑنے کی آواز سُنائی دی اور پھر شبیر باہر نکل آیا۔ وہ بہت غصّے میں دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک سامنے درخت کے پیچھے کسی چیز نے حرکت کی۔ شیر جوش میں ہوش کھو بیٹھا تھا۔ وہ دہاڑتا ہوا درخت کی طرف لپکا۔ جیسے ہی وہ درخت کے قریب پہنچا، کرسٹل گھوم کر دوسری طرف سے اس کے پیچھے آگیا اور اس سے پہلے کہ شیر کو خبر ہوتی کرسٹل نے وہ بڑا سا پتھر شیر کے سر پر دے مارا۔ پتھر لگتے ہی شیر کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ شیر چند لمحوں تک جھومتا رہا پھر لہرا کر زمین پر گر پڑا۔ پتا نہیں پتھر زور سے لگا تھا یا کیا بات تھی یا خون زیادہ بہ گیا تھا کہ تھوڑی دیر بعد شیر مر گیا۔ کرسٹل نے اپنی بہادری سے یہ خوف ناک کارنامہ انجام دیا تھا۔ وہ بھاگ کر کچھار میں سے اپنی گیند اُٹھا لایا۔ گھر پہنچ کر اس نے والد کو یہ کارنامہ سُنایا تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ اچانک اس کے ابّو نے کہا:

"بیٹا، کل تم رین رین کی سال گرہ پر اسے دینے کے لیے کوئی تحفہ سوچ رہے تھے۔"

کرسٹل بولا، "ہاں بابا، مگر ابھی تک کوئی تحفہ سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔"

کرسٹل کے ابّو نے کہا، "پیارے بیٹے، تمھارا کہنا ہے کہ رین رین بہت بزدل ہے۔ تم اگر اسے اپنی بہادری کا تحفہ دو تو کیا یہ انوکھا تحفہ نہ ہو گا؟"

کرسٹل حیرت سے بولا، "بہادری کا تحفہ! وہ کیسے بابا؟"

"تم یوں کرو کہ شیر کو مارنے کا کارنامہ لکھو۔ پھر اسے اچھی طرح سے خوش خط کراؤ اور اسے رین رین کو تحفے میں دے دو۔ شاید اس طرح تمھاری بہادری کا قصہ پڑھ کر وہ بھی بہادر بن جائے۔"

کرسٹل یہ بات سُن کر بے اختیار اُچھل پڑا۔ واقعی یہ انوکھا تحفہ ہو گا۔ رین رین یقیناً بہت خوش ہو گا۔ کرسٹل نے سوچا۔ پھر کرسٹل نے اپنے بابا کی ہدایت پر عمل کیا۔ رین رین کی سال گرہ پر جب اس نے بہادری کا تحفہ پیش کیا تو سب مہمان حیران رہ گئے۔ اس تحفے سے نہ صرف رین رین بہادر بن گیا بلکہ کرسٹل کو بھی خوب شہرت ملی۔

دنیا کے سب سے بڑے کیکڑے جاپان کے اِرد گرد کے سمندر میں پائے جاتے ہیں۔ ان دیو کیکڑوں کی ٹانگیں چار میٹر سے بھی لمبی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ بڑے بھدّے لگتے ہیں۔

شہیدِ ملّت

عنبر چغتائی

سب داغ ہائے چہرۂ ملّت مٹا گیا — اپنے وطن کے ماتھے پہ جھومر سجا گیا
بنجر زمین پر وہ گھٹا بن کے چھا گیا — اُجڑے گھروں کو پھر سے لیاقت بسا گیا
ہو کر شہید خود ہمیں جینا سکھا گیا — اک پھول آبروئے گلستاں بچا گیا
"منزل رسی" کا ہم کو قرینہ سکھا گیا — یعنی "قراردادِ مقاصد" بنا گیا
عزمِ صمیمِ قائدِاعظم میں پیش پیش — ہمّت تھکے ہوؤں کی بڑھاتا ہوا گیا
حضرت عمرؓ کے دور کی ڈالی تھی داغ بیل — اسلام کا نظامِ حکومت بنا گیا
پہلا وزیر اعظم و سردارِ لیگ تھا — معمارِ اوّلین، وطن کا چلا گیا
اُلجھے ہوؤں کو اس نے نکالا سنوار کر — بگڑے ہوئے تھے کتنے جنھیں وہ بنا گیا
جس دور میں وزیر خزانہ رہا تھا وہ — اعجاز سا "غریب بجٹ" کا دکھا گیا
خود اپنی ذات کے لیے کچھ بھی نہیں کیا — لیکن چراغِ راہ جلاتا چلا گیا
ہمدرد و سادہ دل تھا، شگفتہ مزاج تھا — ہر غم زدہ کی آس بندھاتا ہوا گیا

عنبر دعائے حفظِ وطن جانکنی کے وقت
ہر لفظ اس کا عرشِ بریں پر سُنا گیا

حکیم محمد سعید

طب کی روشنی میں

معدے میں تیزابیت

س : والد کی عمر ۴۲ سال ہے۔ ان کے معدے میں تیزابیت ہے۔ صبح کو منھ خشک ہوتا ہے اور تھوڑی سی مرچ کھانے سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ ناف میں چُبھن رہتی ہے۔

ثمرین مسعود، رحیم یار خاں

ج : آپ کے والدِ محترم کے لیے ایک مشورہ تو یہ ہے کہ وہ گوشت خوری کم کریں اور گائے بھینس کا گوشت کھانا بند کر دیں۔ زیادہ گوشت کھانا قطعی غلط ہے۔ ایک صحت مند انسان کو ہفتے میں دو بار سے زیادہ گوشت کی جسمانی ضرورت ہے ہی نہیں۔ جو افرادِ قوم روزانہ صبح و شام گوشت کھا رہے ہیں وہ نہ اپنے جسم کے ساتھ انصاف کر رہے ہیں اور نہ وطن کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

اپنے والد صاحب کو صبح ۶ ماشے مُلیٹھی نہایت باریک پسی ہوئی پانی کے ساتھ پھانک لینے کا مشورہ دیں۔

مور جیسے پیر

س : عمر ۱۷ سال ہے۔ میرے پیر بدنما اور پھٹے ہوئے ہیں۔ چاہے سردی ہو یا گرمی ہر موسم میں پاؤں پھٹتے رہتے ہیں۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز فرما دیجیے۔

ثناء اللہ خاں، دولت پور صفن

ج : آپ کے پیر نہ ہوئے مور کے پیر ہو گئے۔ حسین و جمیل مور خوب ناچتا ہے، بڑا خوب صورت۔ ناچتے ناچتے جب اپنے پیر دیکھتا ہے تو رو دیتا ہے۔ مور کی مادہ یہ آنسو پی جاتی ہے۔

خیر پریشان نہ ہوں۔ ہمدرد مرہم کئی دن تک رات کو پھٹے پیروں پر لگائیں۔ آرام آجائے گا۔

بال، گر رہے ہیں

س: عمر ۱۸ سال ہے۔ میرے سر کے بال بہت گر رہے ہیں۔ بہت پتلے بھی ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹروں کو دکھایا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ نور جہاں، کراچی

ج: بال کی کھال نکالنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ بال گرنا ایک قدرتی عمل ہے۔ اکثر و بیشتر زیادہ عمر میں بال گرنے شروع ہوتے ہیں اور اچھے خاصے گر جاتے ہیں۔ بعض حالات میں اس قدرتی عمل میں فرق آجاتا ہے۔ کبھی کم عمر میں بال گرنے شروع ہو جاتے ہیں کبھی زیادہ عمر میں بھی بال گھنے رہتے ہیں۔ آپ ذرا یہ دیکھ لیجیے کہ سر میں خشکی تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو بال گرنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ خشکی کے لیے حسبِ ذیل تیل سر میں رات کو لگائیے، صبح دھو ڈالیے۔

دوائے خارش سفید ۳ گرام روغنِ کمیلہ ۳۶ گرام ملالیں۔

کالے ہونٹ

س: عمر ۱۶ سال ہے۔ سات برس کی عمر تک میرے ہونٹ بالکل گلابی تھے لیکن اب بہت کالے ہوگئے ہیں۔ میں دن میں صرف ایک مرتبہ چائے پیتی ہوں۔ بعض اوقات پیتی بھی نہیں، کیا کروں؟ انیسہ یلیین، کراچی

ج: خیر چائے سے تو ہونٹ کالے نہیں ہوتے، مگر چائے پینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ چائے غیر ملکوں سے آتی ہے۔ ہماری عزتِ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی غربتوں میں اضافہ نہ کریں اور ملک و قوم پر قرضوں کے انبار لگاتے نہ جائیں۔ غیر ملکوں سے چائے آتی ہے تو ہمارا سرمایہ باہر جاتا ہے۔

ہونٹوں کی یہ سیاہی نظامِ ہضم سے تعلق رکھ سکتی ہے۔ اپنی غذا سے تیل، گھی کم کر دینا چاہیے۔ گائے کا گوشت چھوڑ دینا چاہیے۔ دوا کے طور پر سونف نیم کوفتہ ۶ گرام رات گرم پانی میں بھگو دیں اور صبح چھان کر پی لیں۔

چھوٹا قد، اصل بڑائی

س: عمر ۱۵ سال ہے، لیکن میں نرسری کی بچّی نظر آتی ہوں۔ میرا قد بہت چھوٹا ہے۔ پہلے سب کہتے تھے کہ تم کچھ کھاتی نہیں ہو۔ اب اچھا بھلا کھاتی ہوں، لیکن قد نہیں بڑھتا۔ از راہِ کرم کوئی علاج بتائیے۔
ر۔ل، گوجرانوالہ

ج: میں نے بہت غور کیا۔ بھئی، میری سمجھ میں تو کوئی حل آیا نہیں ہے۔ اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ قد تو اب بڑھ نہیں سکتا، بعض ماہرین یہ کہتے ہیں کہ غدۂ نخامیہ (پچوئیٹری گلینڈ) کو چھیڑ کر قد بڑھایا جاسکتا ہے۔ ایسا ہو تو سکتا ہے، مگر انسان کو جراحت میں اس قدر مہارت ابھی حاصل نہیں ہوئی ہے کہ وہ نظامِ قدرت کو چھیڑ سکے۔ اب قناعت سے کام لیں اور علم و حکمت کے میدانوں میں پالے مار کر اپنے علمی قد کو بڑھائیں یہی اصل بڑائی ہے۔

بوجھل ذہن

س: عمر ۱۳ سال ہے۔ پڑھنے میں کم زور ہوں۔ کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ ذہن ہر وقت بوجھل رہتا ہے۔
محمد اعجاز الحق اعوان، ماتلی

ج: مغز بادام شیریں ۱۲، دانے، کشمش ۲ تولے۔ رات بھر پانی میں بھگوئیں، صبح کھالیں۔ اُوپر سے پاؤ دو پاؤ دودھ پی لیا کریں۔ رات خمیرۂ ہمدرد ۶ گرام کھالیں۔ یہ مہینے دو مہینے کھاتے رہیں۔

کہنیاں کالی ہیں

س: عمر ۱۴ سال ہے۔ میری کہنیاں بہت کالی ہیں۔ میرے بازو بہت کم زور لگتے ہیں۔
سعدیہ کلثوم، گوجرانوالہ

ج: شاید آپ پڑھتے وقت اپنی کہنیاں میز پر ٹکا لیتے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو اس سے کہنیاں کالی پڑ جاتی ہیں۔ آپ اپنی عادت پر غور کریں۔ اگر ہے تو اسے ترک کریں۔ ان کالی کہنیوں پر روغنِ ارنڈ (کیسٹر آئل) رات کو ملنا چاہیے۔

برف کی دُنیا

اشرف نوشاہی

"ضرورت ہے ایک ایسے نوجوان سائنس داں کی، جو مُہم جو طبیعت کا مالک ہو۔"
روزنامہ اخبار کے اس چھوٹے سے اشتہار نے ساحر کو متوجہ کر لیا۔ پچھلے دو ماہ سے وہ ہر روز اخبار دیکھ رہا تھا۔ حال آنکہ اسے اخبار سے چڑ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اخبار والے زندگی کی اچھّی باتوں کے بجائے بُری باتوں پہ زیادہ دھیان دیتے ہیں۔ اس طرح وہ آدمی کو قنوطی بنا دیتے ہیں۔ اب بھی اسے ملازمت کی تلاش نہ ہوتی تو کبھی بھول کر بھی

اخبار کو ہاتھ نہ لگاتا۔

"موزوں امیدوار کو بہترین تنخواہ اور سہولیات دی جائیں گی۔" ساحر پڑھتا چلا گیا، "تعلیمی اسناد کے ساتھ ایک ہفتے کے اندر اندر بکس نمبر ۱۴۷ معرفت روزنامہ اخبار۔ نیوز روڈ کے پتے پہ درخواست ارسال کریں"۔

ساحر نے اگلے ہی دن درخواست بھیج دی اور ابھی مہینہ نہیں گزرا تھا کہ اسے ایک خط ملا۔ اس خط میں اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ سائنس اکیڈمی کے صدر کی خدمت میں پیش ہو تاکہ ملازمت کے لیے اِنٹرویو لیا جاسکے۔ انٹرویو کے لیے یکم اگست کو ٹھیک آٹھ بجے صبح حاضر ہونا تھا۔

یکم اگست کو ٹھیک آٹھ بجے ساحر اس کمرے میں داخل ہوا جس کے باہر "صدر سائنس اکیڈمی" کی تختی لگی تھی۔ یہ ڈاکٹر نایاب کا دفتر تھا جو سائنسی امور سے وابستہ سب سے بڑے ادارے سائنس اکیڈمی کے صدر تھے۔ دفتر کا کمرا کافی بڑا تھا اور دروازے سے ڈاکٹر نایاب کی میز تک کئی قدم کا فاصلہ تھا۔ جیسے ہی ساحر میز تک پہنچا ڈاکٹر نایاب اس کے استقبال کو کھڑے ہو گئے۔ ساحر ان کی عظمت کا قائل ہو گیا۔ وہ ایک عظیم سائنس داں تھے۔ ساری دنیا میں ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی، لیکن وہ ایک ایسے نوجوان کے لیے کھڑے ہو گئے تھے جو ابھی ایم ایس سی کر کے آیا تھا۔

"بڑے لوگ واقعی بڑے ہوتے ہیں۔" ساحر نے دل میں کہا۔

"آپ ساحر ہیں ؟" ڈاکٹر نایاب کے سوال نے اس کی سوچوں کا سلسلہ روک دیا۔

"جی ہاں"۔

"تو تشریف رکھیے"۔ ڈاکٹر نایاب کی آواز ہی نہیں لہجہ بھی میٹھا تھا۔ ساحر کی توقع کے خلاف ان کی عمر زیادہ نہیں تھی، بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے ساحر ہی کے ہم عمر ہوں۔ دو چار سال ہی بڑے ہوں گے۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ انٹرویو کوئی گھنٹہ بھر جاری رہا اور پھر ڈاکٹر نایاب نے ساحر کو اسی وقت یہ خوش خبری سُنادی کہ وہ منتخب کر لیا گیا ہے۔

"آج یکم اگست ہے"۔ ڈاکٹر نایاب اپنے دھیمے اور میٹھے لہجے میں کہنے لگے، "آج سے

نو دن بعد یعنی دس اگست کو آپ اپنی پہلی مہم پر رَوانہ ہوں گے "۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں وہ مُہم کس طرح کی ہوگی؟" ساحر نے سوال کیا۔

"جی کیوں نہیں۔ یہ ان مُہموں کے لحاظ سے ایک معمولی مہم ہے جو آپ مستقبل میں سر کریں گے۔ آپ کو قُطب شمالی تک اکیلے جانا ہے "۔ ڈاکٹر نایاب نے بتایا۔

" اکیلے؟" ساحر کچھ حیران ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ قطب شمالی برّاعظم انٹارکٹیکا میں واقع ہے جہاں برف ہی برف ہے۔

"جی ہاں اکیلے۔ یہ دراصل آپ کی پہلی آزمائش ہے۔ آپ کو نہیں معلوم ابھی آپ کو کتنے بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ قطب شمالی تک اکیلے جانا آپ کے لیے بہت معمولی سا کام ہوگا۔"

"جی بالکل ۔۔۔۔" ساحر تھوک نگل کر رہ گیا۔

اگلے نو دِن وہ یہی سوچتا رہا کہ وہ یہ کام کر بھی سکے گا یا نہیں۔ اسے اپنے وہ دوست یاد آنے لگے جنھوں نے اس کے ساتھ ایم ایس سی کیا تھا۔ اکثر وہ بحث کرتا رہتا تھا کہ تعلیم پانے کا مقصد گھومنے والی کرسی پہ بیٹھ کے افسری کرنا نہیں بلکہ کوئی ایسا کام کرنا ہے جو باقی انسانوں کے لیے فائدے کی بُنیاد بنے۔ بحث میں وہ ہمیشہ جیت جایا کرتا، لیکن لاجواب دوست یہ ضرور کہتے، " ساحر بھائی، کہنے میں اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ تم کچھ بھی کہو ہم تو افسری ہی کریں گے۔ تم کوئی بڑا کام کر سکو تو کر دکھانا!" اس طرح وہ ساحر پہ طنز کیا کرتے تھے۔ اب ساحر کو یہ موقع مل ہی گیا تھا کہ وہ کچھ کر دکھائے۔ چناں چہ دس اگست کی صبح وہ کیپ کولمبیا پہنچ چکا تھا۔

اسے کیپ کولمبیا تک ایک ہوائی جہاز لایا تھا۔ کیپ کولمبیا ایک ساحلی علاقہ ہے جو انٹارکٹیکا کے سمندر آرکٹک کے کنارے واقع ہے۔ دُنیا کے نقشے میں یہ علاقہ کینڈا کا حصّہ ہے۔

کیپ کولمبیا میں سائنس سنٹر سے ساحر کو اپنے مِشن پر روانہ ہونا تھا۔ قطب شمالی یہاں سے ۴۷۶ میل دُور تھا۔ یہ فاصلہ ساحر کو اس برف گاڑی کے ذریعہ سے طے کرنا تھا جو سترہ کتّے کھینچتے تھے۔ ہیلی کاپٹر اور ٹرانسمیٹر کے ذریعہ سے سنٹر سے رابطہ رکھنا تھا اور

جب کسی قسم کی پریشانی ہوٹرانسمیٹر کی مدد سے اطلاع دیتی تھی۔ اطلاع ملتے ہی ہیلی کاپٹر اس کی مدد کے لیے روانہ ہو جاتا۔

ڈاکٹر نایاب اور کئی بڑے سائنس دانوں نے اسے الوداع کہا اور وہ اپنے تنہا سفر پر روانہ ہو گیا۔ دیر تک اس کے کانوں میں وہ الفاظ گونجتے رہے جو چلتے وقت ڈاکٹر نایاب نے کہے تھے۔

"اس چھوٹے سے کام کو ہمّت سے کرنا تاکہ بڑے کام کر سکو"۔

قُطبی ریچھ

کیپ کولمبیا سے چلے ہُوئے پُورے چار دن ہو گئے تھے۔ اس وقت وہ اپنے خیمے میں تھا جو اس نے برف پر گاڑ رکھا تھا۔ سلیپنگ بیگ (SLEEPING BAG) میں سوئے ہوئے ساحر کی آنکھ اچانک کُھل گئی۔ خیمے سے باہر گاڑی کھینچنے والے کتّے غرّا رہے تھے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ انٹارکٹیکا کی برفیلی سرزمین پر گاڑی کھینچنے والے یہ کتّے صرف دو مخلوقات سے ڈرتے ہیں۔ ایک تو انسان اور دوسرا قطبی ریچھ۔ کُتّوں کی غراہٹ خطرے کا الارم تھی۔ ساحر نے خطرے کی بُو سونگھ لی اور اپنے کان قدموں کی آواز پر لگا دیے۔ بھاری اور بے ہنگم قدموں کی آواز صاف سُنائی دینے لگی۔ سانس لینے کی آواز بھی لمحہ بہ لمحہ نزدیک آرہی تھی اور پھر چند ہی سیکنڈ بعد ساحر نے محسوس کیا کہ اس کے اور قطبی ریچھ کے درمیان صرف نائلون کی دیواریں ہیں۔ اس نے سوچا، "بات ختم ہو گئی۔ یہ ریچھ مجھے ختم کر دے گا"۔ لیکن فوراً ہی اسے ڈاکٹر نایاب کا الوداعی فقرہ یاد آگیا:

"اس چھوٹے سے کام کو ہمّت سے کرنا تاکہ بڑے کام کر سکو"۔

اس کے ہونٹوں پہ دُعا آگئی، "اے اللہ میری مدد کر!" کچھ دیر وہ یُونہی دُعا کرتا رہا تو اس کے ذہن سے خوف کم ہونے لگا۔ وہ سوچنے لگا:

"ممکن ہے یہ ریچھ خیمے میں گُھس آئے اور مجھے مار ڈالے، لیکن میں سلیپنگ بیگ میں چُپ چاپ لیٹا رہوں اور اپنی سانس روکنے کی کوشش کروں تو ممکن ہے اسے میرا شبہ نہ ہو"۔

وہ جب خوف کے اثر سے آزاد ہُوا تو اُس کا ذہن کام کرنے لگا۔ اسے یاد آگیا کہ اس کے سامان میں رائفل بھی ہے۔ سامان اس کے پاس ہی پڑا تھا، لیکن رائفل میں گولی نہیں تھی۔ اس لیے ساحر نے فیصلہ کیا کہ چُپ چاپ لیٹے رہنے ہی میں بھلائی ہے۔ قطبی ریچھ خیمے سے باہر پڑے ہوئے خوراک کے ڈبے اُلٹ پُلٹ کرتا رہا۔ ساحر نے ایک بار پھر اللہ سے مدد مانگی اور پُراُمّید ہو گیا کہ قطبی ریچھ اِن ڈبّوں میں موجود خوراک ہی سے پیٹ بھرلے گا، لیکن ایسا نہ ہُو۔ خوراک کے ڈبّوں سے ریچھ کی بُھوک مِٹ نہ سکی۔ اُس نے خیمے کے نائلون پر پنجے پھسلانے شروع کر دیے۔ بڑے بڑے پنجوں کے کھرچنے اور نتھنوں کے پُھنکارنے کی آوازیں صاف آرہی تھیں۔ ساحر کے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ خیمے کی دیوار اندر کو جُھکنے لگی۔ یُوں لگا جیسے ریچھ نے انسان کی بُو سُونگھ لی ہے۔ ساحر نے سانس روک لیا۔

"اب تو واقعی بات ختم ہو گئی۔" ساحر نے سوچا، لیکن اچانک ہی نجانے کیوں یہ سب ختم ہو گیا۔ ریچھ چلا گیا۔ خاموشی ایک بار پھر چھا گئی اور ساحر نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ خیمے سے باہر نکلا۔ خوراک کے ڈبّوں میں اب کچھ بھی نہ تھا۔ خیمہ بھی ٹوٹ پُھوٹ گیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ٹرانسمیٹر پر کیپ کولمبیا سنٹر سے بات کر رہا تھا۔ اسے خوراک اور خیمے کی ضرورت تھی۔

فی الحال تو خطرہ ٹل گیا تھا، لیکن ساحر کو خدشہ تھا کہ ریچھ پھر آئے گا۔ اس لیے کہ اسے یہاں سے کھانے کو مِل گیا تھا اور یقیناً وہ دوسرے وقت کا کھانا بھی یہیں سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ساحر کے لیے ممکن نہ تھا کہ جلدی سے وہ جگہ چھوڑ دیتا۔ اس کے پاس اب نہ تو خیمہ تھا نہ خوراک۔ اس نے سنٹر کو اطلاع دے دی تھی اور ہیلی کوپٹر کے ذریعے سے یہ چیزیں آنے تک اسے یہیں رہنا تھا۔ اس نے رائفل تیار کرلی۔ اسے خدشہ تھا کہ منفی چالیس درجے سنٹی گریڈ پر رائفل نہ چلی تو کیا ہوگا۔ اس لیے رائفل کے فائر مکینزم کو مٹّی کے تیل میں ڈبو لیا۔

تقریباً چوبیس گھنٹے بعد ریچھ پھر نمودار ہُوا۔ برفانی تودے سے اُترتے ہوئے اس کا رُخ ٹھیک ساحر کی جانب تھا۔

ساحر نے ریچھ کا نشانہ باندھ لیا اور اس کو قریب آتے دیکھتا رہا۔ جب ریچھ اس سے صرف پچاس فیٹ دُور رہ گیا تو اس نے گولی داغ دی۔ ریچھ بُھد سے وہیں گر گیا۔ ساحر نے رائفل جُھکالی۔

بَرف کا طوفان

خیمہ اور خوراک بھی اگلے چند گھنٹوں میں پہنچ گئے۔ برف گاڑی ایک بار پھر مکمّل ہوگئی۔ سترہ کتّوں سے کھینچی جانے والی اس برف گاڑی کا وزن ایک ہزار پونڈ سے بھی زیادہ تھا۔

اصل دشمن سے تو ساحر کو اب نمٹنا تھا یعنی آرکٹک سمندر سے۔

یہ ایک پختہ سائنسی حقیقت ہے کہ انٹارکٹیکا کا علاقہ کئی لحاظ سے خطرناک ہے۔ اس کے بارے میں پڑھتے اور باتیں کرتے وقت ہی جسم میں سنسنی دَوڑ جاتی ہے، کیوں کہ وہ ایک ایسا برِّاعظم ہے جہاں برف ہی برف ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انسان کسی نئی زمین پر آ گیا ہے۔ برف کی اس زمین پر ساحر اکیلا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی برف اور سردی کی حکومت تھی۔ اس کی گاڑی منزل کی طرف سَرکنے لگی۔

برف کی زمین ہموار نہیں تھی۔ بعض جگہوں پر ساحر گاڑی سے اُتر کر دیر تک راستہ ہموار کرتا رہتا۔ لوہے کی سلاخ اس کے ہاتھ میں ہوتی اور وہ اس کوشش میں مصروف ہوتا کہ جَلد از جَلد برف توڑے۔ زمین کی ناہمواری کے باعث اس کی رفتار بہت کم تھی۔ آٹھ گھنٹے مسلسل چلنے کے باوجود وہ صرف ڈیڑھ میل کا فاصلہ طے کر سکا اور اس دوران وہ خود اور کُتّے اس قدر تھک گئے کہ اس نے خیمہ گاڑ دیا۔

قطب شمالی ابھی تک دُور تھا۔ دُور بہت دُور۔

تھرمامیٹر بتا رہا تھا کہ درجۂ حرارت منفی ۳۸ سنٹی گریڈ ہے اور اس کے چہرے سے ٹکراتے ٹھنڈی ہَواؤں کے جھونکے بتا رہے تھے کہ برف کی دُنیا میں ٹھنڈک کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ساحر کو اپنی ٹھوڑی اور ناک یُوں لگ رہے تھے جیسے جمے ہوئے ہَوں۔ اگلے پانچ دن بھی وہ یُوں ہی آگے بڑھتا رہا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھک جاتا اور پڑاؤ ڈال دیتا۔ تاہم ان پانچ دِنوں میں تھکاوٹ کے علاوہ کوئی پریشانی سامنے نہ آئی۔

چھٹے دِن اسے ایک نئے مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔ آگے جانے میں پچاس گز چوڑا شگاف حائل تھا۔ انٹارکٹیکا میں ایسے شگاف خود ہی بنتے اور پُر ہوتے رہتے ہیں۔ ساحر کو اس بات کا علم تھا اس لیے وُہ رُک گیا اور انتظار کرنے لگا۔ جب شگاف صرف پانچ فیٹ چوڑا رہ گیا تو اس نے کتّوں کو آگے بڑھایا۔ کتّوں نے چھلانگ لگائی اور گاڑی پار ہو گئی۔ اس نے ایک اور آزمائش میں کام یابی حاصل کر لی تھی۔

اگلے دس دن تک کوئی اور مشکل پیدا نہ ہوئی۔ برف گاڑی رَواں دَواں رہی۔ کتّوں کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی، کیوں کہ راستہ صاف اور ہموار تھا۔ گیارھویں دن تو رفتار اتنی تیز رہی کہ صرف ایک دن میں بارہ میل کا سفر طے ہو گیا۔ ساحر حیران ہوتا رہا۔ نرم برف پر کتّے یُوں دوڑ رہے تھے جیسے تیر رہے ہوں۔ اُن کے اگلے پنجے آگے کو بڑھے ہوئے اور سر اُٹھے ہوئے تھے۔ کتّوں کو بُھوک بہت لگتی تھی۔ اس کے باوجود کہ انھیں پُوری خوراک مِلتی تھی، اگر ساحر اپنی چیزوں (مثلاً دستانے وغیرہ) کا خیال نہ رکھتا تو وہ انھیں بھی کھا جاتے۔

ساحر سب سے اہم کام آگے بڑھنے کو سمجھتا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ سفر کرے۔ نیند کا وقفہ کم کر کے اس نے صرف پانچ گھنٹے کر دیا تھا، لیکن برف کے مقابل چلنا آسان نہ تھا۔ شام سے پہلے ہی اس کی ٹانگیں اکڑنے لگتیں اور اسے یوں لگتا جیسے اسی برّاعظم میں وہ کوئی انسان نہیں رہا اکیلی روح بن گیا ہے۔ خیمے کے سلیپنگ بیگ میں لیٹتے ہی اسے نیند آجاتی۔

ساحر کو قطب شمالی کی طرف تنہا سفر میں بیس دِن ہو گئے تو ہیلی کوپٹر کے ذریعہ سے ایک نئی اور ہلکی گاڑی بھی آگئی۔ دو کُتّے واپس چلے گئے اور ان کی جگہ دو تازہ دَم کتّے آگئے۔ خوراک کی کھیپ بھی پہنچ گئی۔ چوں کہ وہ ایک مقررہ نقشے کے مطابق سَفر کر رہا تھا اور ٹرانسمیٹر پر سنٹر سے رابطہ بھی رکھتا تھا، اِس لیے ہیلی کوپٹر سیدھا اس کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ یہ ہیلی کوپٹر جو چیزیں لاتا تھا ان میں برفانی ہرن کا گوشت، بِسکٹ، شکر، تیل، نمک، چائے اور جام شامِل تھے۔ جب بیسویں دن ہیلی کوپٹر آیا تو اس کی پُرانی گاڑی بھی لے گیا، کیوں کہ نئی گاڑی جو آگئی تھی۔ ہیلی کوپٹر چلا گیا تو ساحر ایک بار پھر اکیلا رہ گیا۔

پانچ دن اور گزر گئے۔

پچیسویں دن سردی بہت بڑھ گئی۔ اس نے آلے کے ذریعہ سے ہوا کا رُخ معلوم کیا۔ شمال سے جنوب کی سمت ہَوا چل رہی تھی اور جب ہاتھوں پہ لگتی تو یُوں لگتا شہد کی مکّھی نے ڈنک مارا ہے۔ ساحر نے آلے کے ذریعہ سے یہ بھی معلوم کیا کہ قطب شمالی ابھی کتنی دُور ہے۔ جواب آیا : ۲۳۲ میل۔ وہ خاموشی سے برف گاڑی پہ پھر بیٹھ گیا اور کتّے دوڑنے لگے۔

تیسویں دن پھر ایک شگاف سامنے آگیا۔ یہ شگاف صرف آٹھ فیٹ چوڑا تھا، اس لیے ساحر نے برف کی سِلیں توڑیں اور ان کا پُل بنایا۔ اس پُل پر جب برف گاڑی گزرنے لگی تو عین پُل کے بیچ کتّے رُک گئے۔ سِلوں کے تڑخنے کی آواز آئی۔ چند ہی لمحوں میں پُل ٹوٹنے والا تھا۔ اوسان بحال رکھتے ہُوئے ساحر نے کتّوں پہ چابک برسایا اور چیخا، "آگے بڑھو"۔ کتّوں نے ایک بار پھر کوشش کی اور گاڑی چل پڑی۔ ساحر نے برف کی سِلیں گہرائی میں گرنے کی آواز سُنی۔ نیچے گہرا اور ٹھنڈا سمندر تھا جس سے وہ بال بال بچ نکلا تھا۔ بے اختیار اس کے مُنھ سے نکلا، "تیرا شکر ہے میرے مالک!"

ڈیڑھ مہینے بعد وہ آدھا سفر طے کر چُکا تھا، لیکن ۲۲۶ میل ابھی اور باقی تھے۔ ساحر نے سوچا، " برف اور موسم اجازت دیں تو اَب صرف دس دن کا سفر رہ گیا ہے "۔ باوجود اس کے کہ آغازِ سفر ہی سے طرح طرح کی مشکلات سامنے آئی تھیں، ساحر کے حوصلے بلند تھے۔ اسے اپنی کام یابی کے متعلق کوئی نااُمّیدی نہیں تھی، لیکن اگلی ہی صُبح اس کے حوصلے کچھ پست ہوگئے، کیوں کہ اس نے خیمہ اُکھاڑنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ برف کا طوفان اُٹھ کھڑا ہُوا۔ پورے دو دن وہ خیمے میں دُبکا رہا۔ خیمے سے باہر کتّے سر جُھکائے لیٹے رہے۔ تیسرے دن بھی کہیں سہ پہر کو جا کر طوفان تھما۔

پہلے ہی بہت دیر ہو چُکی تھی۔ اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً سفر شروع کر دیا، لیکن برف نے اسے دھوکا دیا تھا۔ راستہ اونچے نیچے ٹیلوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ کئی جگہوں پہ گاڑی دَھنستے دَھنستے رہ گئی۔ اس کے باوجود وہ رُکا نہیں، لیکن بعد میں ایک بڑی مصیبت اس طرح سامنے آئی کہ وہ مایوس ہو گیا۔ یہ مصیبت برف کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے جنھوں نے گھومنا شروع کر دیا تھا۔ اسے یُوں لگ رہا تھا جیسے کسی گھومتے اسٹیج

پر کھڑا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ آرکٹک سمندر کے اوپر تیرتے ہوئے برفانی ٹکڑوں پہ سفر کر رہا تھا۔ ان ٹکڑوں کی جمی ہوئی برف سے کچھ ہی نیچے مائع برف اور پانی کا ٹھنڈا یخ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ برف کے ٹکڑوں کی موٹائی بھی ہر جگہ پر ایک سی نہ تھی۔ احتیاط نہ کرنے کی صُورت میں ٹکڑے کے شگاف سے سمندر میں گر جانے کا خطرہ موجود تھا۔ اس لیے ساحر نے بہتر سمجھا کہ خیمہ گاڑ کر حالات بہتر ہونے کا انتظار کرے۔

ساحر کی توقع پوری نہ ہوئی۔ کچھ گھنٹوں کے بعد اس کے خیمے کے دائیں طرف شگاف ہوگیا۔ کچھ ہی دیر بعد بائیں طرف بھی گڑھا بن گیا۔ باقی دو اطراف بھی شگاف بننے کا خطرہ تھا۔ ایسا ہوتا تو وہ یقیناً ڈوب جاتا۔ چناں چہ اس نے فوراً خیمہ اُکھاڑا۔ کتّوں کو گاڑی کے آگے جوتا اور چابک مار کر چیخا:

"آگے بڑھو!" کُتے ایک جھٹکے سے اُچھلے اور ایک دوسرے ٹکڑے پر پہنچ گئے۔ یہ ٹکڑا زیادہ بڑا تھا اس لیے محفوظ تھا۔ وہ ایک بار پھر بال بال بچا تھا۔ اس بار بچ نکلنے پر ساحر نے سوچا کہ وہ بہت جلدی کر رہا ہے۔ اسے صبر سے کام لینا چاہیے اور منزل پر پہنچنے کے لیے جلدبازی نہیں کرنی چاہیے۔

ساحر نے صبر کا فیصلہ تو کر لیا، لیکن پورے چار دِن تک صبر کرنا بڑا مشکل تجربہ رہا۔ تاہم اس دوران درجۂ حرارت کچھ اور کم ہوگیا تھا۔ اس لیے وہ ٹکڑے جو پگھل گئے تھے پھر سے جم گئے اور ساحر کو یقین ہوگیا کہ اب سفر شروع کیا جائے تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

کہنے والوں نے سچ کہا ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ چار دن آرام کے بعد ساحر نے سفر شروع کیا تو ایک ہی دِن میں پچّیس میل طے کر لیے۔ آرام کرنے کی وجہ سے اسے موسم خوش گوار لگ رہا تھا۔ کتّے بھی تازہ دَم تھے۔ خوب دَوڑے۔ اگلے روز انھوں نے سینتیس میل طے کر لیے اور یہ ساحر کے سفر میں ایک دِن کے دوران زیادہ سے زیادہ فاصلے کا رِکارڈ تھا۔ تاہم اس کے اگلے دن پھر ایک پریشانی سے دوچار ہوگیا۔ برف کا ایک بہت بڑا ٹیلا سامنے آگیا تھا۔ چڑھائی نے کتّوں کو بھی تھکا دیا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ اُوپر چڑھتے رہے۔ ساحر کے لیے یہ آخری آزمائش تھی۔ وہ سُست رفتاری سے بد دِل نہ ہُوا اور جب آہستہ آہستہ سرکتی گاڑی نے اپنے سفر کا اِکتالیسواں دن بھی پُورا کر لیا تو ساحر اپنی منزل پہ پہنچ چُکا تھا۔

اس نے گھڑی پر وقت اور تاریخ دیکھی۔ گرین وِچ ٹائم کے مطابق بیس ستمبر کی شام کے ساڑھے چھے بجے تھے۔

اُس نے برف گاڑی روک لی اور جتنے زور سے بول سکتا تھا، بولا:

" انسانیت زندہ باد"۔

پُورے دو دن وہ قطب شمالی پر مختلف تجربات کرتا رہا۔ یہ تجربات اس بات کی تصدیق تھے کہ وہ جہاں کھڑا تھا وہی قطب شمالی ہے۔ دنیا کا سب سے اونچا مقام۔

تیسرے دِن اُسے ہیلی کوپٹر نے کیپ کولمبیا میں جیسے ہی اُتارا، ڈاکٹر نایاب نے سینے سے لگا لیا۔ ساحر واقعی بڑے بڑے کام کرنے کے لائق تھا۔ وہ اکیلا وہاں پہنچ گیا تھا جہاں برف کی حکومت ہے اور زمینی مقناطیس کا شمالی سرا ہے۔ اس مہم کی کام یابی نے یہ ظاہر کر دیا کہ ساحر اس سے بھی بڑے، بہت بڑے کاموں کی صلاحیت رکھتا ہے۔

انوکھا قائد

کس نے بنایا پاکستان جس سے ہے اپنی پہچان
کس نے کیا بیدار ہمیں کس نے اُتارا پار ہمیں
کس نے سکھائے ہمیں اُصول کس نے بچھائے راہ میں پھول
کس نے ہمیں آزاد کیا پاک وطن آباد کیا
کس نے کیا یہ مشکل کام جلد بتاؤ اس کا نام
قائد اعظم اس کا نام
قائد اعظم اس کا نام

شکیل فاروقی، کراچی

دُم لمبی ہوگئی

ابرار محسن

خُولو نے بڑی بے چین طبیعت پائی تھی۔ ایک جگہ مستقل طور سے پڑے رہنا اس کی فِطرت کے خلاف تھا۔ ابھی یہاں تھا تو ابھی وہاں، ہوا کے جھونکے کی طرح۔ آخر اس نے دریا کے کنارے ایک سبزہ زار میں اپنا گھر بنا لیا۔

اسے پسند تھی ہوا میں لہراتی ہوئی گھاس، دریا کا پُرشور بہاؤ، تتلیوں کے رنگین پَر، شہد کی مکھیوں کی بِھنبِھناہٹ، پھلوں سے لدے درختوں کی ڈالیوں پر پرندوں کے میٹھے گیت۔ رات کے وقت جب پُورا چاند دریا کے کنارے والی ریت پر چاندنی بکھیرتا، جب راتوں کو ہوا کے مست جھونکے لوری سُناتے تو خولو کا دِل بھی خوشی سے ناچ اُٹھتا۔

موسم بہار کی ایک رنگین صبح تھی۔ خولو چھلانگیں مارتا ہُوا سبزہ زار میں گھومتا پھر رہا تھا۔

"صبح بخیر! خولو!"

خولو نے مُڑ کر دیکھا۔ اوپر کی طرف مسکراتا ہُوا لنگور درخت کی شاخ کو دُم سے پکڑے اُلٹا لٹکا ہُوا جھُولا جھُول رہا تھا۔ خولو نے جواب دیا:

"صبح بخیر! اچھے تو ہو؟"

خولو آگے بڑھا تو اچانک اس کے کانوں میں سِسکیوں کی آواز آئی۔ ایک بندریا رو رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" خولو نے حیرانی سے پُوچھا۔

"خولو بھیّا! فیسی میرے بچّے کو اُٹھا لے گیا ہے۔ جلدی سے کُچھ کرو"۔

خولو گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ جانتا تھا فیسی زندہ جانور کو ایک دم نہیں کھا جاتا بلکہ پہلے شکار کو خوب اذیتیں دے کر خوش ہوتا ہے۔ اس کے بعد اُسے کھاتا ہے۔

مگر خولو۔ ایک کم زور خرگوش۔ کِس طرح ایک خُونخوار لگڑ بھگّے سے ٹکّر لیتا؟ اسے اپنی جان کی بالکل پروا نہ تھی۔ اس نے کہا، "تمھارے بچّے کو چھُڑانے کے لیے مجھے خود کو فیسی کے حوالے کرنا ہو گا۔"

بندریا کی آواز بھرّا گئی، "تم کِس قدر عظیم ہو خولو!"

دونوں مِل کر اُس جگہ پہنچے جہاں فیسی بندریا کے بچّے کو پکڑ کر لایا تھا۔ وہ بچّے سے کہہ رہا تھا:

"گھبراؤ نہیں، میرا معدہ بہت نرم ہے۔ تمھیں اس کے اندر بڑا آرام اور سُکون ملے گا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے معدے کے اندر جانا بڑی عزّت کی بات ہے؟ ہر بچّے کی ایسی قسمت کہاں جو وہ کسی معزز لگڑ بھگّے کی خوراک بنے"۔

خولو نے آواز دی:

"فیسی! بچّے کو چھوڑ دو۔ میں خود کو تمھارے حوالے کرتا ہوں"۔

فیسی خوش ہوکر بولا :
" مجھے منظور ہے ۔ ویسے بھی بچہ بس دو نوالے کا تھا ۔ اس کے بدلے خرگوش بُرا نہیں ۔"
فیسی نے بچے کو رہا کر دیا ۔ ماں نے بچے کو پیٹ سے چمٹا لیا اور خولو کی طرف دیکھ کر بے بسی سے روتی ہوئی چلی گئی ۔ خولو اس کی خاطر اپنی جان دے رہا تھا ۔
اب فیسی نے خولو سے کہا :
" میں سمجھتا تھا تم عقل مند ہو مگر تم تو بالکل ہی احمق ہو ۔ دوسروں کی خاطر اپنی گردن پھنسانا نادانی ہی تو ہے ۔ بہر حال، اب بڑے پُرانے بدلے لینے ہیں ۔ پہلے تمھارا ایک ایک جوڑ الگ کروں گا پھر کھاؤں گا ۔ ہاہاہا ! "
خولو نے جواب دیا :
" مرنا تو سب کو ہے ۔ جانور ہو یا پرند یا انسان ۔ مگر وہ موت جو دُوسروں کے سُکھ کی خاطر آئے وہ ہزار زندگیوں سے بہتر ہے ۔ "
فیسی نے کہا :

"ابھی جب کھال اُدھیڑوں گا تو ساری زبان درازی دھری رہ جائے گی۔"

خولو نے اطمینان سے کہا:

"موت سے کیا ڈرنا۔ خود تمھاری موت بھی منڈلا رہی ہے۔ دیکھتے نہیں تمھاری دُم لمبی ہوگئی ہے؟ جب لگڑبھگّا مرنے والا ہوتا ہے تو اس کی دُم لمبی ہو جاتی ہے۔"

فیسی نے بوکھلا کر دُم کو دیکھا۔ خولو کو صِرف ذرا سا موقع چاہیے تھا۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

فیسی کو فوراً احساس ہوگیا کہ وہ بے وقوف بنایا گیا ہے۔ وہ بھی غصّے سے پاگل اس کے پیچھے دوڑا۔ عین اس وقت جب کہ فیسی اسے پکڑنے والا تھا لنگور نے جو ابھی تک اُلٹا لٹکا جھُول رہا تھا، خولو کو اٹھا کر درخت کی شاخ پر بٹھا دیا۔ فیسی نیچے کھڑا دانت پیستا رہ گیا۔ اسی درخت پر بندریا اور اس کا بچّہ بھی تھے۔ بندریا دانت نکال کر فیسی کو جلا رہی تھی۔ فیسی بے بس تھا۔ وہ درخت پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔

وہ چُپکے سے دُم دَبا کر وہاں سے کھسک گیا۔

وقت

ابرار کرت پوری

وقت اس کو ہی پیار کرتا ہے — جو اسے پُر وقار کرتا ہے
وقت جاکر کبھی نہیں آتا — یہ بھلا کس سے پیار کرتا ہے
جو بھی کرنا ہے بس وہ کر گزرو — وقت کب انتظار کرتا ہے
کھو دیا جس نے وقت کو بے کار — عمر بھر دُکھ شمار کرتا ہے
وقت کا ہوگیا ہے جو پابند — عقل وہ اختیار کرتا ہے
وقت گر آدمی کا اچھا ہو — ہر کوئی اعتبار کرتا ہے
وقت جس کا خراب ہوجائے — اس کو یہ زار زار کرتا ہے
وقت کا اعتبار مت کرنا — وقت کب اعتبار کرتا ہے
وقت کی ہر بہار ہے ابرار — وقت ہر پل بہار کرتا ہے

ناقابلِ اشاعت

عمیمہ سندس مُغل، سنجوال چھاؤنی

نام دیکھ کر تو آپ یقیناً سمجھے ہوں گے کہ کہانی ناقابل اشاعت تھی۔ برکاتی صاحب کی غلطی سے چھپ گئی اور اب "ناقابل اشاعت" اس لیے لکھا گیا ہے تاکہ اسے کوئی نہ پڑھے، مگر جناب، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ عمیمہ سندس نے بقلم خود یہ "ناقابل اشاعت" تحریر لکھ کر "اشاعت کے لیے بھیجی ہے۔ اگر آپ اسے پڑھ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ناقابل اشاعت تحریر قابلِ اشاعت ہے۔

اکثر لوگوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ردّی کی ٹوکری کا ہاضمہ بہت تیز ہے۔ اس کو زیادہ بہتر بنانے کے لیے کسی کارمینا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اکثر رسالے والوں کو یہ دھمکی ملتی ہے کہ آپ نے اب کہانی نہ چھاپی تو ہم لکھنا بند کردیں گے، یہ کردیں گے وہ کردیں گے۔ یا پھر فلاں تو آپ کے رشتے دار ہیں جن کی تحریریں آپ شائع کرتے ہیں۔ ہم آپ کے کون! بالکل ایسا لگتا ہے جیسے دو لڑاکا مرغیاں جلے بُھنے انداز میں کٹ

کٹ کر کے لڑ رہی ہیں۔ اکثر لوگوں کی کہانیاں ناقابلِ اشاعت ہو کر واپس آجاتی ہیں۔ ہمارے بہن بھائی اس بات کو بہت سنجیدگی سے لے لیتے ہیں۔ حال آنکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ چلیے ہم آپ کو ایک واقعہ سناتے ہیں، اس وقت کا جب ہماری کہانی کے ساتھ بھی کچھ اسی قسم کا سلوک ہوا تھا اور وہ واپس آگئی تھی۔

ہم نے اپنی پہلی کہانی لکھی اور ایک رسالے کو بھیج دی۔ وہ چھپ گئی۔ پھر کہانی لکھی اور نونہال میں بھیجی جو تھی تو "ڈائنا سار" جیسی جسامت کی مگر چھپکلی جتنی ہو کے نونہال میں چھپ ہی گئی۔ اب صاحب ہم اکڑ بیٹھے۔ ہر ایک کو خیالی مونچھیں مروڑتے ہوئے بتاتے کہ مستقبل کے مایہ ناز ادبا میں سے ہم بھی ایک ہیں۔ (مونچھیں مروڑنے سے آپ مذکر کا تصور ذہن میں نہ لائیں ہم مونث ہی ہیں) رسالے خوب سنبھال کر رکھے تاکہ سند رہے کہ ہم نے بھی کبھی کچھ لکھنے کی کوشش کی تھی۔ ہر ایک کو فخر کے ساتھ وہ رسالہ دکھاتے۔ پھر ایک حیرت ناک واقعہ پیش آیا۔ ہماری ایک کہانی صاحبہ "ناقابلِ اشاعت" کا لیبل لگا کر خراماں خراماں تشریف لے آئیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس روسیاہ کو وصول بھی ہماری ہمشیرہ محترمہ نے کیا۔ یقین مانیے ہمیں اس حادثے کی بالکل خبر نہ تھی۔ ہم تو ایک کمرے میں بقول اپنی بہن صاحبہ کے رسالہ نوش فرما رہے تھے۔ جب ہم کمرے سے باہر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ گھر کی فضا میں غم اور دکھ کے ابخرات پائے جاتے ہیں۔ ہر طرف افسردگی کی بارش ہو رہی تھی۔ ہم ذرا سے حیران ہوئے کہ آخر ہوا کیا ہے۔ اتنی خاموشی کیوں ہے۔ مشہود صاحب آئے تو پہلے تو کترا کر گزرنے لگے، لیکن ہمارے بلانے پر آئے اور بولے :

"بھئی بہت افسوس ہوا۔" یہ کہہ کر چلے گئے۔ تابندہ آئیں تو کہنے لگیں :

"دکھ ہوا ہمیں۔" "ارے کس بات کا غم تمھیں لے کر ڈوب رہا ہے؟" ہم نے پوری قوت سے چلا کر کہا۔ انھوں نے رحم والی نگاہوں سے ہمیں دیکھا جیسے "اس سانحے" پر ہمارا دماغ چل گیا ہو۔ پھر دکھ سے بولیں :

"صبر کرو۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا۔" اب تو ہم بھی ذرا پریشان ہوئے۔ کہیں ہم فوت تو نہیں ہوئے جو یہ سب اتنے غمگین ہو رہے ہیں۔ ہم فکرمندی سے سوچ کر

سنگھار میز کے آگے جائزہ لینے کے لیے کھڑے ہو گئے، لیکن ہم تو زندہ جاوید دکھائی دے رہے تھے۔ ہم نے اپنی ناک ٹھنڈے آئینے سے لگا دی اور آئینے میں دیکھتے ہوئے سوچنے لگے، "روحیں کوئی ایسی ہوتی ہیں۔ وہ کوئی شیشے سے ناک لگا کر دیکھتی ہیں۔ ارے نہیں بھئی، ہم زندہ ہیں!" ہم نے اپنی ناک شیشے سے ہٹالی۔ زندہ ہونے کا یقین ہوا تو آگے بڑھے۔ رخشی باجی آتی دکھائی دیں۔ ہمیں باقاعدہ گلے سے لگا کر پُرسہ دیا۔ "اُفوہ ضرور کوئی غم ناک خبر ہے، اس لیے ہمیں بھی غمگین ہو جانا چاہیے۔" یہ سوچتے ہوئے ہم پھر سے شیشے کے آگے آکھڑے ہوئے مگر غمگین ہوتے کیسے ہیں۔ شاید غم والی شکل بنانی پڑتی ہے، لیکن غم والی شکل کیسے بنتی ہے۔ شاید ایسے۔ ہم نے ناک ماتھے تک چڑھالی۔ آنکھیں میچ لیں، اس حد تک کہ ہمیں تھوڑا سا نظر آئے۔ ہونٹ سکیڑ لیے، تیوریاں چڑھالیں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن جب شیشے میں شکل دیکھی تو ہمیں خود ہی زور سے ہنسی آگئی۔ پھر توبہ تِلّا کی کہ غم کے موقع پر ہنستے نہیں۔ پھر سارے زاویے درست کیے اور غم گین شکل بنانی شروع کی۔ بہت سے ڈیزائن بنائے، لیکن ہمیں پسند نہ آئے۔ "کیا فضول کام ہے غم گین ہونا بھی۔ ہم تھک گئے تھے۔ آخر ہم نے یوں کیا کہ نیچے کا ہونٹ لٹکا لیا۔ منھ

ڈھیلا چھوڑ دیا اور اوپر کا ہونٹ سرکا کر دائیں جانب کر لیا۔ کندھے ذرا جھکا دیے۔ اب تو ہم ٹھیک ٹھاک غم گین لگ رہے ہیں۔ اب ہم نے اپنی اس صورت کے ساتھ کمرے میں مٹر گشت کرنی شروع کر دی۔ سب نے جذبۂ ہمدردی سے ہمیں دیکھا۔ آخر ابّو جی دفتر سے آئے۔ جب کھانے کے لیے بیٹھے تو ہماری صورت دیکھ کر انھوں نے کہا، "بیٹا! تم فکر نہ کرو۔" ہمارا دل چاہا کہ کسی طرح رو دیں، مگر رونا تو ہمیں آہی نہیں رہا۔ کسی نہ کسی طرح ایک آنسو نکالا۔ بھلا ہو پیاز کے ابخرات کا جو باورچی خانے سے ہم تک پہنچ گئے تھے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ ہمیں ابھی تک پتا نہ تھا کہ آخر ہوا کیا ہے۔ ابّو نے پھر کہا، "بیٹا! ناکامیاں ہی کامیابیوں کا زینہ ہوتی ہیں۔ اگر تم گروگی نہیں تو گر کر اُٹھنا کیسے سیکھوگی! کیا ہوا اگر ایک کہانی واپس آگئی تو دوسری چھپ جائے گی۔"

"تو کیا؟ کیا میری کہانی واپس آئی ہے؟"

یہ تو کوئی افسردہ ہونے والی بات ہی نہیں تھی۔ ہم نے، ہنستے ہوئے جسم کے سارے اعضا اپنی اصل جگہوں پر سیٹ کیے اور اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ "ایک نہیں سو واپس آجائیں۔" ہم نے باقاعدہ ہاتھ ہلا ہلا کر سب کا شکریہ ادا کیا کہ ہمارے نام نہاد دُکھ میں سب نے ہمارا ساتھ دیا۔ ہم نے انھیں بتایا کہ یہ کوئی دُکھ کی بات نہیں ہے۔ ہم بالکل غم گین نہیں ہیں۔ یہ آپ لوگوں نے اچھا نہیں کیا کہ ہمیں سانحے کی اطلاع نہیں دی۔ حیرت کی بات ہے کہ اس دن ہم نے کھانا بھی زیادہ کھایا۔ کھانا ہمیں عام دنوں کی نسبت زیادہ مزے دار لگا۔ سب ہمیں حیرت سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور ہم سوچ رہے تھے کہ ہر روز ایک اوٹ پٹانگ کہانی لکھ کر بھیجا کریں گے تاکہ روز ایک واپس آئے اور روز ہم زیادہ کھائیں۔

کہنا یہ تھا کہ اگر کبھی آپ کی کہانی بھی اسی طرح واپس آجائے تو غم گین ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری طرح خوب خوش رہیں، ڈٹ کر کھائیں۔ یقین کیجیے کہ ایک ناکامی بہت سی کامیابیوں کو جنم دیتی ہے۔ دو دفعہ کہانی واپس آئے گی تو تیسری دفعہ ہمیں اپنی غلطیوں کا خود ہی علم ہو جائے گا اور نہ صرف آپ بہتر طور پر لکھ سکیں گے بلکہ ہمارے نونہال کا معیار بھی مزید بہتر ہو گا۔ نونہال زندہ باد، ہمدرد زندہ باد۔

جسمِ انساں

ڈاکٹر ناہید نذر

جسمِ انساں اک مشیں سے کم نہیں
یہ کوئی چھکڑا نہیں ٹم ٹم نہیں
ماننا تم کو پڑے گا یہ حضور
ان مشینوں میں فرق بھی ہے ضرور
جسمِ انسانی مشیں ہے جان دار
وہ مشیں لوہے کی کب ہے جان دار
ایک کا ہے ٹوٹنا بے اعتبار
دوسری کے جوڑنے پہ اختیار
زندگی میں اک مشیں ہے دست یاب
ٹوٹنے پہ دوسری ہے نایاب

سوال :
دونوں میں اتنا فرق تم کو ملا
جسمِ انساں کو مشیں پھر کیوں کہا

جواب :
جسمِ انساں ہے مشیں سن لیں حضور
گر فرق ہے تو مشابہت ہے ضرور
دونوں کی صحت ہے محتاجِ نظر
بگڑ جائیں پھیر لیں ہم گر نظر
دونوں کے ایسے ہیں کچھ بندھن بندھے
چلتی ہیں اچھا سا گر ایندھن ملے
دونوں چلتی ہیں تو بس حرکت کریں
اور گندے مادّے بھی خارج کریں
کیوں نہ پھر ہم جسم کو کہہ دیں مشیں
جسمِ انساں اک مشیں پر دل نشیں

• بچّوں کے لیے دل چسپ کتابیں

چالاک خرگوش کے کارنامے (ناول): ایک شریر خرگوش نے بھیڑیے اور شیر کو کیسے ناکوں چنے چبوائے۔ ہنسانے والی شرارتوں سے پُر قصّے۔

• ننھّا سیاح (ناول) ہر سال سمندر میں رہنے بسنے والے عجیب بونوں کی عجیب عجیب باتیں۔

کھلونا نگر (ناول) بیسویں صدی کے ذہین بچوں کے لیے کھلونوں کی دنیا کی انوکھی باتیں اور راکٹ پر کھلونوں کی سیر کا حال۔

ننھّا سراغ رساں: بچّہ جو بڑا سراغ رساں تھا، قیدی جو سُرنگ بنا کر فرار ہوئے اور اِس طرح کی دوسری حیرت انگیز کہانیاں۔

ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی: وہ کہانی جسے مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان پڑھتے تھے اور اسی قسم کی دوسری ولولہ انگیز کہانیاں۔

ابو علی کا جوتا: اپنے مالک کو جیل بھجوانے والے جوتے اور سمندر میں گر کر ۲۹ گھنٹوں تک تیرنے والے لڑکے کی سنسنی خیز کہانیاں۔

پُراسرار غار: لڑکی جو پھانسی چڑھی، کتا جس نے اندھے کو موت سے بچایا اور دوسری ہمت اور جوش پیدا کرنے والی کہانیاں۔

قصّہ اژدہا پکڑنے کا: ۱۵ فیٹ لمبا اژدہا بیچنے کے لیے پکڑنے اور بحرِ اطلانتک ربڑ کی کشتی میں عبور کرنے کی حیرت انگیز کہانیاں۔

صحت کی الف بے: صحت و تن درستی کے سادہ اصول اور طریقے آسان زبان اور دل چسپ انداز میں۔

چند مشہور طبیب اور سائنس داں: چھ مسلمان اور اٹھارہ دوسرے مشہور طبیبوں، سائنس دانوں اور موجدوں کے دل چسپ حالات اور کارنامے۔

غذائیں دوائیں: لہسن سے بلڈ پریشر کم ہوتا ہے، امرود ساپھیپھڑوں کا ٹانک ہے ایسے ہی فائدوں سے پُر ۵۰ سبزیوں پھلوں اور جڑی بوٹیوں کے خواص۔

سنہرے اصول: آج کا بچّہ کل کا معمار، بچوں میں صحت کا شعور پیدا کرنے کے اصول۔ دل کش تصویروں میں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

صلی اللہ علیہ وسلم

رحمتِ دو جہاں

مرسلہ: محمد وسیم بن اشرف، میاں چنوں

ربیع الاوّل کا مبارک مہینہ ہر سال ساری دنیا کے لیے بے شمار خوشیاں لے کر آتا ہے۔ ہم حضور سرورِ کائنات ؐ کی یاد میں عید میلاد النبی کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ تیوہار منانا باعثِ برکت و سعادت ہے۔ اور کیوں نہ ہو ہمارے پیارے نبی ؐ سے محبّت ہی مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ نبی آخرالزماں ؐ کی آمد نے دُنیا کے ذرّے ذرّے کو اسلام کے نور سے منوّر کر دیا اور مسلمان ایک بہترین قوم بن کر ابھرے آپ ؐ اس دنیا میں تشریف لائے تو اندھیرے چھٹ گئے اور سارا عالم روشن ہو گیا۔ آپ ؐ کے آنے سے اس دُنیا کے چمن میں بہار آگئی۔ وہ آئے جن کے قدموں کے لیے کعبہ ترستا تھا۔ وہ آئے جن کے آگے باطل کا الاؤ سرد پڑ گیا۔ آپ ؐ کی آمد پر گُل مہکنے لگے۔ ہوائیں خیر مقدمی ترانے گنگنانے لگیں۔ فرشتوں کی زبانوں پر دُرود کے نغمے جاری ہو گئے۔ معصوم کلیاں چٹکنے لگیں۔ آپ ؐ کی آمد سے لالہ زاروں پر نکھار آگیا۔ آج کے دن حضرت خلیل اللہ کے خوابوں کی تعبیر ہوئی۔ آپ ؐ کی ولادتِ باسعادت پر آسمان، زمین کی قسمت پر رشک کرنے لگا۔ وہ آگئے تھے جن کے آگے روم و ایران کے بادشاہوں کے سر بھی جُھکنے تھے۔

صُبح صادق کے وقت حضور پُر نور ؐ کی ولادت باسعادت اس بات کی روشن دلیل تھی کہ اب دنیا سے کُفر اور ظلمت کے بادل چھٹ گئے ہیں اور نورِ ایمان کا اُجالا ہر طرف پھیل رہا ہے۔

حضور ؐ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی بنا کر بھیجا۔ آپ ؐ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ آپ ؐ ایسی کتاب یعنی قرآن مجید لے کر تشریف لائے جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ آپ ؐ اللہ کے دین کی صرف تبلیغ ہی کے لیے نہیں آئے بلکہ اُمّت کو اس پر عمل کرانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ ؐ لوگوں کے سامنے عملی نمونہ بن کر آئے تھے۔ آپ ؐ پر اللہ کا جو بھی حکم نازل ہوا وہ آپ ؐ نے لوگوں تک پہنچایا۔

آقائے دو جہاں ؐ دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے۔ آپ ؐ نے دُکھی انسانیت کو زندگی کا پیغام

دیا۔جینے کے آداب سکھائے اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں درس دیا اور درس بھی ایسا کہ ہر بات پر خود عمل کر کے دکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو مکمّل ترین اخلاق کا نمونہ بنا کر بھیجا۔آپؐ کی پیاری پیاری باتیں اور شیریں گفتگو نے اپنے کیا، غیروں کے دل بھی موہ لیے۔

سفرِ طائف کا دردناک واقعہ آپؐ کے صبر و تحمّل کا بے مثال نمونہ تھا۔آپؐ کی صداقت نبوّت کا بڑا ثبوت ہے۔طائف کے لوگوں نے آپؐ پر پتھر برسائے جس سے آپؐ کا جسم مبارک لہولہان ہوگیا۔پھر بھی آپؐ کی زبانِ مبارک سے بد دُعا نہ نکلی۔بلکہ آپؐ نے فرمایا:

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیوں کہ یہ جانتے نہیں۔"

ایک مسلمان بچّے کے لیے آپؐ کی سیرت مبارک ایک سبق ہے۔ایسی تعلیم ہے جس پر عمل کر کے بچوں کے اخلاق کو شروع ہی سے سنوارا جا سکتا ہے۔

ہم اگر آپؐ کی خاندانی زندگی پر غور کریں تو آپؐ بزرگوں کی عزّت کرتے اور بچّوں پر شفقت فرماتے تھے۔

وطن کے نونہالو! ہمیں بھی اللہ کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنی چاہیے۔اِن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے، کیوں کہ حضورؐ کی زندگی ہمارے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپؐ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

پیارا پاکستان

پاکستان ہمارا ہے
خوشیوں کا گہوارہ ہے

سب کی آنکھ کا تارا ہے
دیکھو کتنا پیارا ہے

اپنے دیس پہ ہم قربان
پیارا پیارا پاکستان

فرح اقبال

خارِ جلدیے : ستارہ مچھلی، سمندری کھیرے

ڈاکٹر منظور احمد

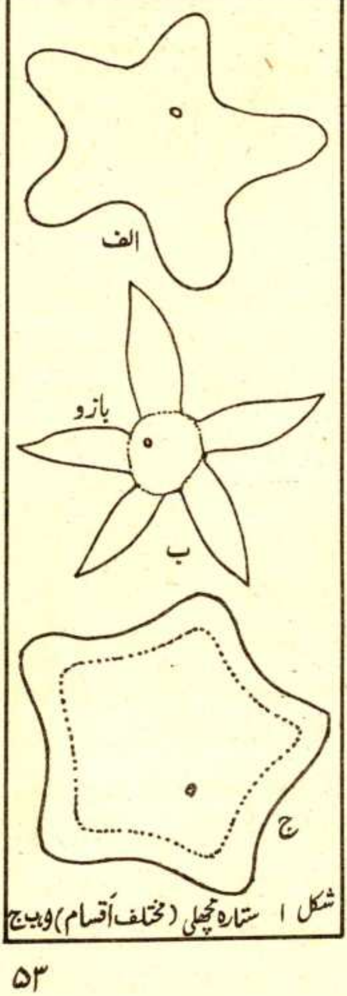

شکل ۱ ستارہ مچھلی (مختلف اقسام) و ب ج

جن بچّوں کو ساحلِ سمندر پر جانے کا موقعہ مِلا ہو گا انھوں نے کم از کم ستارہ مچھلی (شکل-۱) تو ضرور دیکھی ہو گی اور ممکن ہے کسی کسی بچّے نے گول گیند کی شکل کے سیاہ یا دِیگر رنگوں کے حیوانات دیکھے ہوں جن کی بیرونی سطح لمبے یا چھوٹے کانٹوں سے ڈھکی ہوتی ہے ۔ ایسے تمام حیوانات جن کے جسم باہر تیز یا کُند کانٹوں سے اَٹے ہوتے ہیں اُن کو خارِ جلدیے (ECHINODERMS) کہا جاتا ہے۔ اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے خارِ جلدی حیوانات ستارہ مچھلی (STAR FISH) اور گول گیند نما (SEA URCHIN) کے علاوہ اور بھی بہت سی شکلوں میں ملتے ہیں۔ مثلاً شکستہ ستارہ (BRITTLE STAR) پَر ستارہ (FEATHER STAR) ، سمندری کھیرا (SEA CUCUMBER) ، سمندری کنول (SEA LILLY) وغیرہ یہ سب خارِ جلدی حیوانات عام جانے پہچانے حیوانات سے بہت مختلف اور کسی حد تک عجیب وغریب صورت کے مالک ہوتے ہیں۔ آپس میں بھی اُن کی مشابہت ایسی نہیں ہوتی کہ انھیں ایک جیسا سمجھا جا سکے۔ ان اختلافات کے باوجود

ان سب کو خار جلدیے اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان حیوانات کی جلد میں چھوٹے بڑے کانٹے یا خار ہوتے ہیں جو سمندری کھیرے میں تو اتنے باریک ہوتے ہیں کہ انھیں صرف خرد بین کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے، لیکن سمندری ارچن میں اتنے واضح ہوتے ہیں کہ اُس کے گول گیند نما جسم پر کانٹے ہی کانٹے نظر آتے ہیں (شکل-۲)۔ جسم کے اُوپر موجود کانٹے بعض اوقات چپٹے ہو کر مضبوط پلیٹوں کی صُورت اختیار کر لیتے ہیں اور آپس میں جُڑ کر حیوان کے جسم کے گرد ایک سخت خول بنا دیتے ہیں۔ اکثر خار جلدیوں کی ظاہر شباہت اِس طرح کی ہوتی ہے کہ حیوان کے جِسم کا اگلا اور پچھلا حصّہ نہیں ہوتا بلکہ اُوپر والا اور نچلا حصّہ ہوتا ہے اور اُوپر سے نیچے تک دو رَویہ قطاروں میں مرتّب نلی دار پاؤں (TUBEFEET) کی پانچ عدد لکیریں ہوتی ہیں جو دَرحقیقت حیوان کی نقل و حرکت میں مدد دیتے ہیں۔ یہ نلی دار پاؤں خار جلدیوں کے آبی دورانی نظام کا ایک عضو ہیں اور یہ نظام خار جلدیوں میں وہی کام کرتا ہے جو دوسرے حیوانات میں نظامِ دورانِ خون کرتا ہے۔

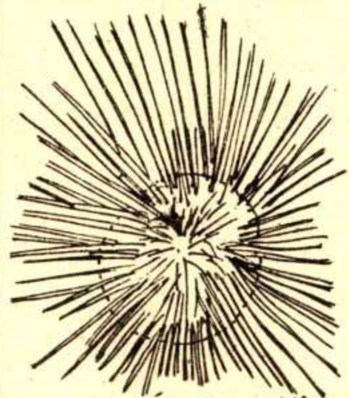

شکل ۲ سمندری ارچن

ستارہ مچھلیوں کا جِسم ایک گول مول پلیٹ کی طرح ہوتا ہے جس میں سے ۵، ۶ یا زیادہ بلکہ کبھی کبھار ۵۰ تک بازو ستاروں کی کرنوں کی طرح باہر نکلتے ہیں (شکل-۳)۔ سب سے بڑی ستارہ مچھلی کا ایک بازو ۳ فیٹ کے لگ بھگ لمبا ہوتا ہے اور اس طرح بعض ستارہ مچھلیاں اچھّی خاصی ڈراؤنی نظر آتی ہیں۔ ان کے رنگ سُرخ، نارنجی، زَرد، سبز، بنفشئی، عنابی، نیلے، بھُورے اور بعض اَوقات کئی ملے جُلے رنگ ہوتے ہیں۔ رَنگوں کی

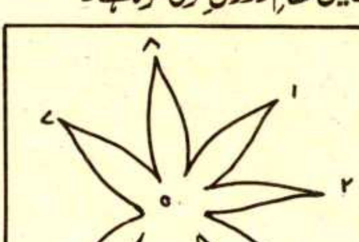

شکل ۳
پانچ سے زیادہ بازوؤں والی ستارہ مچھلی

چمک کے باعث یہ ستارہ مچھلیاں بہت خوب صورت بھی لگتی ہیں۔ ستارہ مچھلیاں پودوں کے ذرّات، نامیاتی مادّوں کو کھاتی ہیں یا گوشت خور ہیں۔ کم گہرے پانیوں میں سمندری ساحلوں پر رہتی ہیں اور تہ میں رہ کر رینگ کر حرکت کرتی ہیں۔ گوشت خور ستارہ مچھلیاں اپنے معدے کو سکیڑ کر منھ کے راستے جسم سے باہر نکال لیتی ہیں۔ یہ باہر نکلا ہوا معدہ اپنے شکار کے جسم کے نرم حصّوں کے گرد مضبوطی سے لپٹ جاتا ہے۔ معدے کی رطوبتیں اپنے شکار کو توڑ پھوڑ کر نرم کرتی جاتی ہیں اور نیم ہضم شدہ خوراک کو اندر چُوستی جاتی ہیں۔ بعض ستارہ مچھلیاں اس طرح کے غذائی انہضام میں اتنی تجربے کار ہو جاتی ہیں کہ سیپیوں کے خولوں کے درمیان موجود معمولی سے، باریک سُوراخ کے راستے اپنا سارا معدہ ان کے اندر داخل کر سکتی ہیں۔ اپنے دِفاع کے لیے

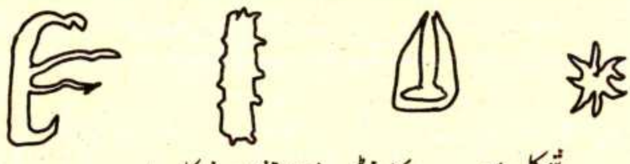

شکل ۴ کانٹے (چند مختلف شکلیں)

سِتارہ مچھلیاں نہ صرف اپنی جلد پر موجود کانٹوں (شکل-۴) کو استعمال کرتی ہیں، بلکہ اپنے جِسم سے ایسی زہریلی رطوبتیں بھی خارج کرتی ہیں جو چھُونے والے حیوانات کے جسم میں جلن، سوزش بلکہ بعض اوقات ہلاکت کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ اگر کبھی دشمنوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں ستارہ مچھلی کا بازو ٹوٹ جائے تو وہ دُوبارہ اُگ آتا ہے۔ ستارہ مچھلیاں گہرے سمندروں سے اُتھلے ساحلی پانیوں میں سبھی جگہ ملتی ہیں اور پاکستان کے سمندری ساحلوں پر بکثرت پائی جاتی ہیں۔

شکستہ سِتارہ مچھلیاں اس لحاظ سے سِتارہ مچھلیوں سے مختلف ہوتی ہیں کہ ان کے بازو بہت باریک اور لمبے ہوتے ہیں (شکل-۵) اور بعض اوقات ان کے بازو شاخ دار بھی ہوتے ہیں۔ چمک دَمک اور رنگوں کے اعتبار سے بھی ان کی بہت سی قِسمیں ہوتی ہیں۔ حرکت کرتے وقت ان کے بازو تھرتھراتے ہیں۔ بازوؤں کی نوکیں سطح سے چپک جاتی ہیں اور حیوانی جسم کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ اسی طرح کی کارروائی کے باعث شکستہ سِتارہ مچھلیاں شیشے

کی طرح، ہموار سطح پر بھی عموداً اوپر کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ اپنے بازوؤں کو باریک چپوّؤں کی طرح چلا کر تھوڑے فاصلے تک تیر بھی لیتی ہیں اور ضرورت پڑنے پر سمندر کی ریت اور کیچڑ میں بھی گھروندہ بنا لیتی ہیں، لیکن عام طور پر سمندر کی تہ میں رینگتی رہتی ہیں۔ مٹّی اور ریت کے ذرّے نگلنے کے

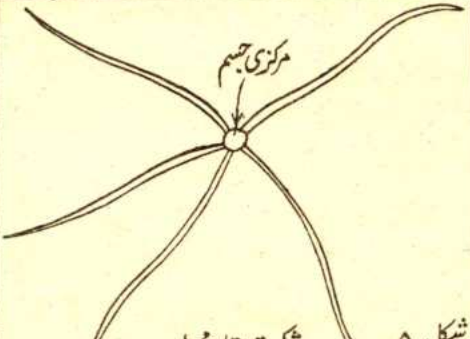

شکل ۵ شکستہ ستارہ مچھلی

علاوہ یہ خارِ جلدیے گھونگوں، سیپیوں اور قشریوں وغیرہ کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ کچھ قسم کی شکستہ ستارہ مچھلیاں اندھیرے میں چمکتی بھی ہیں۔ یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایک ایسی شکستہ ستارہ مچھلی جس پر ۲۰،۰۰۰ کانٹے ہوں اور وہ سب کے سب اندھیرے میں روشن ہوں تو وہ کیسا خوب صورت نظارہ ہوگا۔ سمندروں میں شکستہ ستارہ مچھلیاں ۱۲۰۰۰ فیٹ کی گہرائی تک ملتی ہیں، بلکہ بعض اوقات ۲۰ ہزار فیٹ گہرائی تک بھی دیکھی گئی ہیں۔

سَمندری کنوَل (شکل-۶) ایسے خارِ جلدیے حیوانات ہیں جو یا تو ایک تنے کے ذریعہ سے جو بہت چھوٹا یا کافی بڑا ہوتا ہے سخت سطح سے چپکے ہوتے ہیں یا پھر سمندر کے پانی کی سطح پر تیرتے پھرتے ہیں۔ دوسرے خارِ جلدیوں کی طرح سَمندری کنول بھی نارنجی، سُرخی مائل، بنفشئی، بھورے، سبز یا سیاہ رنگوں کے ہوتے ہیں۔ سمندری کنول خا جلدیوں کے بازوؤں میں بعض اوقات اتنی باریک در باریک شاخیں نکل آتی ہیں کہ وہ بالکل بالوں کی طرح یا پَروں کی طرح نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کو پَرستارے بھی کہتے ہیں۔ سمندری پانی کے اندر تیرنے والے سمندری کنول بھاگ اور رینگ بھی سکتے ہیں۔ ان کی خوراک میں پودوں اور حیوانات دونوں کے ذرّات شامل ہوتے

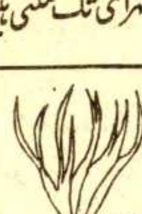

شکل ۶ سمندری کنول

ہیں۔ خوراک حاصل کرنے کا عمل عموماً شام ڈھلنے سے رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ ان خار جلدیوں کی طبعی عمر ۲۰ سال سے زائد نہیں ہوتی۔ بحرِ ہند اور بحرالکاہل کے کم گہرے سمندری ساحلوں پر سمندری کنول اور پر ستارے کثرت سے ملتے ہیں۔

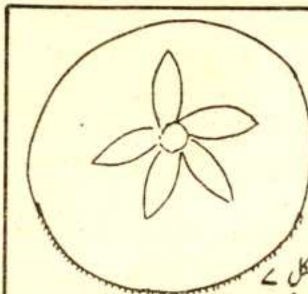

شکل ۷
قرص نما سمندری اُرچن (کیک اُرچن)

سمندری اُرچن گول گیند نما یا قُرص نما (کیک نما) (شکل ۔ ۷) خار جلدیے ہوتے ہیں جن کی سطح پر باریک بال کی طرح لمبے کانٹے، اوسط درجے کے لمبے اور موٹے کانٹے اور کیل کی طرح کے مضبوط کانٹے ہوتے ہیں (شکل ۔ ۸)۔ بعض سمندری اُرچن اتنے بڑے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا قطر ایک فُٹ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کے رنگ عام طور پر گہرے ہوتے ہیں مثلاً گہرا سیاہ یا گہرا بھورا، لیکن ہلکے زرد، سبز اور سفید رنگ کے سمندری اُرچن بھی ملتے ہیں۔

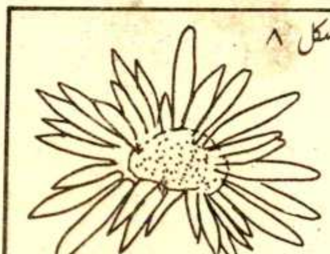

شکل ۸
موٹے کانٹوں والا سمندری اُرچن

سمندری اُرچنوں کے کانٹے ہی ان کی سب سے اہم پہچان ہیں۔ ان کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ بعض اوقات ایک ایک کانٹا ایک فُٹ لمبا ہوتا ہے۔ ایسے سمندری اُرچن جو کیچڑ میں چھپے رہتے ہیں اُن کے کانٹے بہت چھوٹے اور نرم ہوتے ہیں۔ ایسے اُرچنوں کی شکل قُرص نما ہوتی ہے اور انھیں کیک اُرچن (CAKE URCHIN) کہا جاتا ہے۔

کئی سمندری چھوٹی قدوقامت کے حیوانات سمندری اُرچنوں کے جسم پر موجود لمبے لمبے کانٹوں کے درمیان عارضی طور پر پناہ لیتے ہیں اور کچھ مستقل طور پر وہاں اپنے رہنے کی جگہ بنا لیتے ہیں اور گاہے گاہے اُرچنوں کے جسم پر موجود کانٹوں کے جنگل کے آس پاس سے گزرنے والے حیوانات کا شکار کرتے ہیں۔ بعض کیچوے (ANNELIDS) تو اُرچنوں کے کانٹوں کے درمیان اپنے گھروندے بنا لیتے ہیں۔ انھی حیوانات میں سے بعض مچھلیاں اور قشریے بالآخر اُرچنوں پر طفیلی

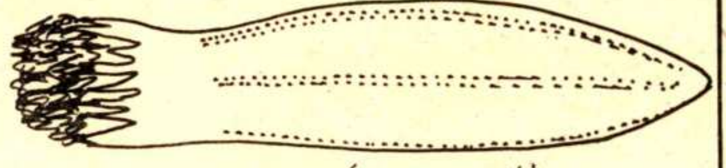

شکل ۹ سمندری کھیرا (خارجلدیہ)

(PARASITE) کی طرح رہنے لگتے ہیں اور ان کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔ ساحلی علاقوں میں کیچڑ کے اندر رہنے والے اُرچن سمندری پرندوں کا شکار بنتے ہیں۔ بحری ابابیلیں (SEA GULLS) تو ان کو چونچ کے ذریعہ سے اُٹھا کر بار بار ہوا سے، سخت چٹانوں پر گراتی ہیں جس سے سمندری اُرچن کا مضبوط جسم پھٹ جاتا ہے اور یہ پرندے ان کے اندر کے گوشت کو کھا جاتے ہیں۔ جب سمندر میں جزر (اُتار) کا وقت ہو اور پانی کمی کے سبب اُرچن کھُلے نظر آنے لگیں تو علاقائی ساحلی لومڑیاں بھی ان کو کھا جاتی ہیں۔ ستارہ مچھلیاں بھی بڑی مہارت سے اُرچنوں کا شکار کرتی ہیں۔ بعض اوقات ان کی کثرت سے سمندروں کے پیندے سیاہ نظر آتے ہیں۔ یہ عام طور پر ۶۰۰ فیٹ کی گہرائی تک رہتے ہیں اور بعض مدّوجزر کے نشانوں کے درمیان رہتے ہیں، لیکن کچھ سمندری اُرچن مستقل طور پر ۳۰۰۰، ۱۲۰۰۰، ۱۸۰۰۰ اور ۲۱۰۰۰ر فیٹ کی گہرائی تک بھی رہتے ہیں۔

سمندری کھیرے (شکل-۹) لمبوترے، گول اور چھونے پر نرم کھیرے کی طرح خارجلدیے ہوتے ہیں۔ مُنھ جسم کے آگے کی طرف ہوتا ہے۔ ان کی جلد لچک دار اور چمڑے کی طرح ہوتی ہے۔ سمندری کھیرے کی سب سے بڑی قسم ۶ فیٹ تک لمبی ہوتی ہے۔ رنگوں کے اعتبار سے ان کے بے شمار خوب صُورت رنگ ہوتے ہیں۔ کئی انواع کے جسم پر رنگ برنگی دھاریاں بنی ہوتی ہیں اور کئی انواع جو کیچڑ میں رہتی ہیں اُن کا رنگ گدلا سفید ہوتا ہے۔ اکثر سمندری کھیرے سمندر کے پیندے پر صرف رینگ سکتے ہیں۔ کچھ صرف محدود فاصلے تک تیر سکتے ہیں۔ سبھی سمندر کے پیندے میں رہتے ہیں۔ اکثر کی خوراک پیرا کیے (PLANKTON) بنتے ہیں۔ کچھ کیچڑ کو نگل لیتے ہیں اور اس میں موجود حیوانی اجسام کو خوراک بنا لیتے ہیں۔ اس طرح ان کا خوراک حاصل

کرنے کا طریقہ زمینی کیچوے (EARTH WORMS) سے ملتا جلتا ہے۔

جاپان، فلپائن اور انڈونیشیا میں بعض سمندری کھیروں کو انسان بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ انھیں کاٹ کر دھوپ میں سُکھا لیتے ہیں اور آگ پر سینک کر کھاتے ہیں۔ چین اس قسم کے کروڑوں رُپے کے سمندری کھیرے ہر سال درآمد کرتا ہے۔ سمندری کھیرے بہت گہرائیوں تک ملتے ہیں، بلکہ ۲۵۰۰۰ فیٹ کی گہرائی پر تو یہ دوسرے سمندری حیوانات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

بلّی کا بچّہ ۔ آٹھ ٹانگیں

ایکوے ڈور (لاطینی امریکا) کے ایک شہر "ماچالا" کے ایک گاؤں میں ایک بلّی نے آٹھ ٹانگوں والا بچّہ جنم دیا ہے جس کی دو دُمیں ہیں۔ علاقے کے لوگوں نے اس کو اپنے حق میں بہت بُرا شگون سمجھا۔ لوگوں نے تو یہ تک کہہ دیا کہ ہمارے اعمال اب اس قدر بُرے ہو گئے ہیں کہ اب دنیا کا خاتمہ قریب ہے۔ پیدائش کے بعد بلّی کے بچّے کو اُس کی ماں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ چناں چہ چند گھنٹوں بعد وہ مر گیا۔

"ماچالا" کے شہری ان آسمانی آفتوں سے بچنے کے لیے چرچ کی پناہ میں آگئے ہیں۔ چرچ میں حاضری دینے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعے سے چند دن پہلے وہاں ایک کتّے کا عجیب الخلقت بچّہ پیدا ہوا تھا جس کا سر ہاتھی جیسا تھا۔ وہ بچّہ تشدّد آمیز ہنگاموں میں مر گیا۔

ناقابلِ یقین مگر سچ

۱۱ر مارچ ۱۹۸۹ء کا ذکر ہے۔ روس کے جنوبی علاقے میں ایک ہیلی کاپٹر کا پائلٹ اس بات سے بالکل بے خبر رہا کہ ایک تیرہ سالہ لڑکا ہیلی کاپٹر کی دُم سے لٹکا ہوا ہے۔ یہ لڑکا ایک سو میل تک اسی طرح لٹکا رہا اور پھر ایک کارخانے کی چھت پر کود گیا۔ بعد میں اس لڑکے کو کار کے ذریعہ سے واپس لے جایا گیا۔

چچا افلاطون

شگفتہ جعفری، حیدر آباد

نام تو ان کا کچھ اور ہے لیکن محلّے میں وہ چچا افلاطون کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے حُلیے کو دیکھتے ہوئے اس سے بہتر لقب ان کے لیے تجویز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ محلّے میں ان کی حیثیت دوست، راہنما اور فلسفی کی ہے۔ یعنی وہ محلّے میں رہنے والے ہر شخص کے دوست ہیں۔ چاہے وہ شخص انھیں دوست سمجھے یا نہ سمجھے، راہنما ہیں چاہے وہ ان پر ایمان لائے یا نہ لائے اور فلسفی ہیں چاہے ان کی باتوں میں فلسفہ ہو یا نہ ہو۔ دراصل چچا افلاطون اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ دوسرے لوگ ان کے متعلق کیا رائے قائم کرتے ہیں۔ اگر وہ پروا کرتے تو چچا افلاطون نہ ہوتے ہماری اور آپ کی طرح دفتر میں قلم گھسا کرتے یا دکان پر چھوٹی موٹی چیزیں بیچا کرتے۔

چچا افلاطون کو جب پتا چلتا ہے کہ محلّے میں کسی شخص پر مصیبت آنے والی ہے یا آئی ہے تو

وہ فوراً اس کے پاس پہنچتے ہیں اور اس کو اپنے مشوروں سے فائدہ اُٹھانے کا موقع بہم پہنچاتے ہیں۔ پچھلے دنوں میری نظر کم زور ہو گئی۔ آنکھوں کا معائنہ کرایا تو ڈاکٹروں نے عینک استعمال کرنے کا مشورہ دیا۔ عینک بنوانے جا رہا تھا کہ راستے میں چچا افلاطون سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے کہا، "دماغ چل گیا ہے تمھارا؟ اس عمر میں عینک لگوا رہے ہو! بڑھاپے میں کیا کرو گے؟"

"بڑھاپے میں؟ ظاہر ہے کہ بڑھاپے میں بھی عینک کا استعمال ہو گا؟"

"میاں! ہوش کی دوا کرو۔ اگر جوانی میں عینک لگاؤ گے تو بڑھاپے میں ضرور اندھے ہو جاؤ گے۔"

"تو بتائیے پھر کیا کروں؟"

"دیکھو عینک لگوانے کا خیال چھوڑ دو۔ آنکھوں میں صبح شام روغنِ بادام ڈالا کرو۔ اگر دو ہفتوں بعد دن کو تارے نظر نہ آئیں تو چچا افلاطون نام نہیں۔"

"دن کو تارے نظر بھی نہ آئیں تو کوئی بات نہیں، رات کو نظر آجائیں تو بھی غنیمت ہے۔"

"نہیں، نہیں۔ دن کو نظر آئیں گے۔ آزمودہ نسخہ ہے۔ بس روغنِ بادام کے تین قطرے صبح اور تین قطرے شام، عینک کی ضرورت نہ رہے گی۔"

دو بلکہ چار ہفتے تک آنکھوں میں روغنِ بادام ڈالتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رات کے وقت جب چاند کی طرف دیکھتے تھے تو وہ ستارہ نظر آتا تھا اور جب ستاروں کی طرف دیکھتے تو مطلع صاف نظر آتا تھا۔ اس کے ساتھ سر میں اس قسم کا درد اُٹھتا تھا کہ دہاڑیں مار کر رونے کو جی چاہتا تھا۔ دوبارہ آنکھیں ٹیسٹ کرائیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ عینک کا نمبر پہلے سے بڑھ گیا ہے، اس لیے عینک میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ہم نے عینک لگوالی، لیکن چچا افلاطون اس دن سے ناراض ہیں۔ کہتے ہیں کہ یا تو تم نے آنکھوں میں روغنِ بادام ڈالا ہی نہیں یا پھر وہ نقلی تھا۔

ہمارے محلّے میں ایک بی اے پاس نوجوان رہتے ہیں۔ چچا افلاطون کو کسی نے بتایا کہ وہ دو سال سے بے کار ہیں۔ یہ سُن کر انھیں بہت افسوس ہوا۔ اسی دن نوجوان کو گھر بُلا بھیجا اور کہنے لگے، "تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم اتنے عرصے سے بے کار ہو؟"

نوجوان نے عاجزی سے کہا، "غلطی ہو گئی، معاف کر دیجیے۔"

چچا افلاطون نے الماری میں سے ایک کتاب نکالی۔ دو چار منٹ اس کے ورق اُلٹتے رہے

اور پھر نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"دیکھو برخوردار! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ بے کار لوگوں کے لیے ہزاروں کام اس کتاب میں درج ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ تم مچھلیاں پکڑنا پسند کرو گے یا مینڈک؟"

نوجوان نے حیران ہوتے ہوئے کہا، "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"مطلب یہ ہے کہ اگر تم ہر روز پچاس مچھلیاں یا پچاس مینڈک پکڑ سکو تو انھیں فروخت کر کے کافی رُپیہ کما سکتے ہو۔ مچھلیاں تو وہ لوگ خریدیں گے جنھیں کھانے کا شوق ہے اور مینڈک تم ان کالجوں میں فروخت کر سکتے ہو جہاں علم حیوانات پڑھایا جاتا ہے۔"

"معاف کیجیے، یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا،" نوجوان نے جواب دیا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ اچھا ایسا کرو کہ جنگلی بندر پکڑ لو!"

"جنگلی بندر؟ یہ تو اور بھی مشکل کام ہے۔"

"اچھا اُسے بھی رہنے دو۔ تمھارے لیے کوئی اور کام ڈھونڈتے ہیں؟"

چچا افلاطون نے پھر کتاب کھولی اور تھوڑے سے وقفے کے بعد خوشی سے چلا کر کہا، "مل گیا، مل گیا۔"

نوجوان نے کہا، "فرمائیے۔"

"تم جنگلی شہد اکٹھا کر کے فروخت کیا کرو۔ معقول آمدنی ہو سکتی ہے۔"

نوجوان نے ڈرتے ڈرتے کہا، "لیکن یہ تو ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔"

چچا افلاطون نے کہا، "ذرا بھی ٹیڑھی نہیں۔ تم شاید مکھیوں سے ڈرتے ہو۔ انھیں بھگانے کی ترکیب میں بتائے دیتا ہوں۔ دیکھو خوب اُبلتا ہوا پانی شہد کے چھتے پر ڈال دو۔ تمام مکھیاں چھتے سے گر کر ڈھیر ہو جائیں گی۔ اطمینان سے چھتے سے شہد نچوڑو اور بوتل میں بھر لو۔"

چناں چہ وہ نوجوان شہد کے چھتوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک جنگل میں اسے ایک بہت بڑا چھتا نظر آیا۔ وہ درخت پر چڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ چھتے پر گرم پانی اُنڈیلتا سیکڑوں مکھیوں نے مل کر اس پر حملہ کر دیا۔ گھبرا کر نوجوان نیچے گرا تو ٹانگ ٹوٹ گئی۔ تین مہینے ہسپتال میں پڑا رہا۔ چچا افلاطون حال پوچھنے گئے تو فرمانے لگے، "تم نے غلطی کی۔ چھتے پر گرم پانی پچکاری سے نہیں ڈالا۔ اگر پچکاری استعمال کرتے تو مکھیوں کی کیا مجال

کہ تمھیں کاٹیں۔ خیر، آیندہ خیال رکھنا۔"

ہمارے محلّے میں ایک خاندانی رئیس بھی رہتے ہیں۔ انھیں جانور پالنے کا بہت شوق ہے۔ ایک دفعہ اُن کا ہرن کہیں گم ہو گیا۔ وہ بہت پریشان ہوئے، کیوں کہ ان کے ہاں ہرن اور ہرنی کا ایک جوڑا تھا اور ہرن کی غیر حاضری میں ہرنی اُداس اُداس دکھائی دے رہی تھی۔ انھوں نے ہرن کی بہت تلاش کی۔ اخباروں میں گم شدہ ہرن کے عنوان سے اشتہار بھی دیا، لیکن ہرن نہ ملا۔ چچا افلاطون نے جب سُنا تو وہ رئیس کے گھر پہنچے اور اس سے بولے "آپ کے خیال میں ہرن کے گھر سے اچانک چلے جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"کچھ پتا نہیں۔" رئیس نے جواب دیا۔

"آپ نے اُسے کبھی سخت سُست تو نہیں کہا؟" چچا نے جرح کی۔

"میں اسے سخت سست کہتا؟ حضرت! وہ تو مجھے جان سے زیادہ عزیز تھا۔"

"اچھا تو ایسا کریں کہ ہرنی کو باہر چھوڑ کر دیکھیے۔" چچا نے تجویز پیش کی۔

"مگر اس طرح تو یہ بھی بھاگ جائے گی۔"

"آپ فکر نہ کیجیے۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ہرنی ہرن کو خود تلاش کرے گی۔"

رئیس پہلے تو ہچکچایا، لیکن جب افلاطون نے اسے بار بار یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ اس کا گُم شدہ ہرن مل جائے گا تو وہ رضا مند ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہرن تو گُم ہو ہی گیا تھا ہرنی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ لیکن چچا افلاطون کو اب بھی یقین ہے کہ ایک دن ہرنی ہرن کو ضرور واپس لے کر آئے گی۔

دو سال پہلے کی بات ہے کہ ایک بیوہ کے اکلوتے لڑکے کو باؤلے کتّے نے کاٹ کھایا۔ محلّے والے لڑکے کو ہسپتال لے جا رہے تھے کہ چچا افلاطون آنکلے۔ کہنے لگے، "کیوں نازک اندام لڑکے کو خواہ مخواہ ہسپتال لے جاتے ہو! وہاں وہ لوگ ٹیکے لگا لگا کر اس کا جسم چھلنی کر دیں گے۔ اسے سخت تکلیف ہو گی۔"

"کسی نے پوچھا، "تو پھر کیا کرنا چاہیے؟"

چچا افلاطون نے کہا، "جس جگہ کتّے نے کاٹا ہے وہاں پر دھتورے کے پتّے گرم کر کے باندھ دو۔ چار پانچ دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

چناں چہ یہی کیا گیا۔ لڑکا بہ ظاہر تن درست ہو گیا۔ ہر شخص نے چچا کی عقل مندی کی تعریف کی، لیکن چند مہینوں کے بعد وہ لڑکا پاگل پن میں مبتلا ہو گیا۔ وہ پانی سے ڈرتا، کتّے کی طرح آوازیں نکالتا اور لوگوں کو کاٹنے کے لیے دوڑتا۔ چچا افلاطون ان دنوں بمبئی گئے ہوئے تھے۔ کسی شخص کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ لڑکے کا بہتیرا علاج کیا گیا، لیکن وہ بچ نہ سکا۔ بمبئی سے واپس آنے کے بعد جب چچا افلاطون نے اس لڑکے کی وفات کی خبر سُنی تو کہنے لگے "صرف ایک مہینے محلّے سے غیر حاضر رہا اور میری عدم موجودگی میں تم سب مل کر بھی بے چارے نوجوان لڑکے کی جان نہ بچا سکے۔ مجھے تمھاری بے عقلی پر ترس آتا ہے۔"

آج کل کی دنیا میں جب کہ ہر جگہ نفسا نفسی کا عالم ہے، کسی کو کسی سے بات کرنے کی فرصت نہیں، چچا افلاطون کا دم غنیمت ہے۔ ہم محلّے والے کبھی کبھی سوچتے ہیں کہ اگر چچا افلاطون نہ ہوتے تو مصیبت کے وقت ہماری دست گیری اور رہنمائی کون کرتا!

نونہال ادب

حکیم محمد سعید

"نور کے پھول" اسلام کے سدابہار چمن کے وہ پھول ہیں جنھیں حکیم محمد سعید نے چن کر ایک گل دستہ بنا دیا ہے۔
ان پھولوں کی مہک ہمیں اس راستے کا پتا دیتی ہے جو نیکی اور سچائی کی طرف جاتا ہے

قیمت
۱۵ روپے

خوب صورت طباعت کے ساتھ خوب صورت کتاب

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

چوتھا ٹکڑا

مصیبتوں کا سمندر عبور کرنے والے باہمت ملاح کی حیرت انگیز کہانی

مونٹی کرسٹو کا نواب

ایگزینڈر ڈوما کے مشہور فرانسیسی ناول کا اُردو خلاصہ

مسعود احمد برکاتی

پچھلی قسطوں کا خلاصہ

فیرون نامی بحری جہاز سمندر میں تھا کہ اس کے کپتان کا انتقال ہوگیا۔ ایک ملاح ایدمند دانتے نے جہاز کی کمان سنبھال لی۔ اس بات پر دوسرا ملاح دانگلر، ایدمند سے جلنے لگا۔ واپسی پر ایدمند کو اپنی شادی بھی کرنی تھی۔ چناں چہ بندرگاہ پہنچ کر اُس نے جہاز کے مالک مسٹر موریل سے چھٹی لی اور شادی کے انتظامات کرنے لگا۔ اِدھر دانگلر اور ایدمند کی منگیتر مرسیدیز کا چچازاد بھائی فرنانڈ، ایدمند کو نقصان پہنچانے میں لگ گئے۔ اُنھوں نے ایک گمنام خط لکھا کہ ایدمند بادشاہ کے دشمن نپولین کا ساتھی ہے۔ ایدمند کی شادی کی تقریب ہورہی تھی کہ اچانک اُسے گرفتار کرلیا گیا اور سرکاری وکیل کے نائب وِل فورت کے سامنے پیش کیا گیا۔ دِل فورت کے کہنے پر ایدمند نے وہ خط اُسے دے دیا، مگر وِل فورت خط دیکھ کر پریشان ہوگیا، کیوں کہ اس میں اُس کے باپ "نوارتے" کا ذکر تھا۔ وِل فورت نے ایدمند سے جھوٹا وعدہ کرلیا کہ اُسے جلد ہی رہا کردیا جائے گا۔ مگر اُسے سیاسی قیدیوں کے قیدخانے "دلیف حویلی" پہنچا دیا گیا۔ ایدمند چیختا چلاتا رہا مگر کسی نے اُس کی نہ سُنی۔ ایک دن ایدمند نے داروغہ پر حملہ کردیا تو اسے تہ خانے میں بند کردیا گیا۔ یہ جگہ بہت بُری تھی۔ ایدمند نے کھانا پینا چھوڑ دیا، مگر کب تک۔ آخر بھوک کے آگے اُس نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح ایدمند کو برسوں اس کوٹھری میں گزر گئے۔ ایک دن اُس نے اپنی کوٹھری کی دیوار پر کچھ کھُرچنے کی آواز سُنی۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور یہ بھی کوئی قیدی ہے جو دیوار توڑ کر جیل سے بھاگنا چاہتا ہے۔ پھر اُس نے بھی مختلف برتنوں کے دستوں سے دیوار کھُرچنی شروع کردی اور مسلسل محنت کے بعد انھوں نے دیوار میں اتنا بڑا سوراخ کرلیا کہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے ــــ اب آگے پڑھیے۔

لیکن یہ گویا صرف جھلک تھی۔ ابھی مشکل باقی تھی۔ شگاف بڑا نہیں ہوا تھا۔ مسلسل کوشش کے باوجود کافی وقت لگا۔ ایک پتھر کے بعد دوسرے پتھر کو ڈھیلا کرتے کرتے آخر وہ دن آپہنچا جب ایدمند اور دوسری طرف سے کھرچنے والا آدمی ایک ایسے پتھر پر کام کرنے لگے جس کے نکالے جانے کے بعد دونوں آمنے سامنے ہونے والے تھے۔ ایدمند ایک جنونی کی طرح رات دن لگا رہا۔ آخر طویل محنت پھل لائی۔ مستقل مزاجی نے کامیابی کا راستہ ہموار کیا۔ اس نے اس پتھر کو بھی کھسکا لیا۔ اب اُس نے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر دوسری طرف دیکھا۔ دوسرے نے بھی یہی کیا اب وہ ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ دونوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کانپتے ہوئے ایک دوسرے کو چھوا۔ ایدمند نے دوسرے آدمی کو پکڑ کر آگے کھینچا اور خود پیچھے ہٹتا گیا۔ اس طرح ایدمند اس آدمی کو آگے لے آیا اور سہارا دے کر اس کو اپنے تہ خانے میں کھڑا کر دیا۔

"آپ کی تعریف ؟" ایدمند نے سوال کیا تو اس کی آواز کانپ رہی تھی اور اس کو اپنا سوال دُہرانا پڑا۔

"میں فادر ایبے فاریا ہوں۔ جیل والے مجھے "پاگل پادری" کہتے ہیں۔"

پاگل پادری کا قد چھوٹا تھا۔ پریشانیوں سے اس کے بال سفید ہو گئے تھے، لیکن اس کی لمبی داڑھی ابھی تک کالی تھی۔ اس کی عمر بھی اچھی تھی۔ کوئی ۶۵ سال ہو گی۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی، لیکن جیل والوں کے خیال کے مطابق یہ دیوانگی کی علامت تھی۔ ایدمند نے جلدی جلدی اپنی داستان غم سنا ڈالی۔ اب پادری فاریا کی باری تھی۔

فاریا سولہ سال سے قلعے (دلیف حویلی) میں بند تھا۔ یعنی ایدمند سے چار سال پہلے سے۔ وہ اٹلی کا رہنے والا پڑھا لکھا قابل آدمی تھا۔ چرچ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کو سیاسی دشمنی کی بنا پر گرفتار کیا گیا تھا۔ اُس کا جرم یہ تھا کہ وہ اٹلی کو متحد کرنے کا حامی تھا۔ وہ ایک بڑے پادری کارڈینل اسپادا کا سکریٹری رہا تھا۔ اسپادا اس کو اپنے بیٹے کی طرح چاہتا تھا اور اس کو تحفظ دیتا تھا۔ اسپادا کے انتقال کے بعد مخالفوں نے اس کو پکڑوا دیا۔

فاریا کے حالات معلوم ہوئے تو ایدمند کو بڑی ڈھارس بندھی۔ اب اس کو ایک دوست مل گیا تھا۔ فاریا کو اس نے دوست کہہ دیا، لیکن فاریا اس سے بہت بڑا تھا اور اس سے زیادہ تعلیم یافتہ

وہ دونوں پکے دوست بن گئے

بھی تھا۔ ایڈمنڈ کبھی ایسے دوست کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ فاریا بھی خوش تھا۔ ایڈمنڈ جوان تھا اور اس کا قدر دان، اس لیے فاریا میں ذرا جان آگئی۔

اگلے کئی ہفتوں تک وہ دونوں بڑی بے فکری سے اپنے بنائے ہوئے راستے سے ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہے۔ فاریا کی کوٹھری، ایڈمنڈ کے تہ خانے سے بڑی اور بہتر تھی۔

جیل کے افسر فاریا کو احمق سمجھتے تھے، خطرناک نہیں سمجھتے تھے۔
ایدمند روز بہ روز فاریا کے کارناموں اور کمالات سے زیادہ متاثر ہوتا جاتا تھا۔ فاریا نے رسّی سے ایک سیڑھی بنائی تھی۔ رسّی بنانے کے لیے اُس نے کمبل سے ڈورے نکالے تھے۔ مچھلی کی ایک نوکیلی ہڈی سے سوئی کا کام لیا تھا۔ مچھلی کی ہڈی سے ہی قلم بنائے تھے۔ راکھ سے روشنائی کا کام لیا تھا۔ ان چیزوں سے فاریا نے اپنے تمام رومالوں اور قمیصوں پر حکومتِ اٹلی کے متعلق اپنے خیالات لکھے تھے۔ بعض وقت اس نے روشنائی کی جگہ اپنا خون بھی استعمال کیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر اُس نے ایک شمع دان کے شیشے سے انتہائی تیز چاقو بنایا تھا۔ یہ سب قیمتی چیزیں دیکھ کر ایدمند کو اپنی کم عقلی پر رونا آنے لگا۔ فاریا کے کپڑوں پر لکھی ہوئی معلومات سے وہ اب تک بے خبر اور ناواقف تھا۔ اور پھر یہ کہ اس نے اپنا وقت اب تک بے کاری میں ضائع کیا تھا۔ ایدمند کی یہ حالت فاریا کے لیے خوشی کا باعث تھی، کیوں کہ وہ پڑھانے سکھانے کا شوقین تھا۔ اس نے ایدمند کی تعلیم کے لیے فوراً ایک پروگرام بنا ڈالا۔ فاریا چار زبانیں جانتا تھا اور ان زبانوں میں اس نے خوب کتابیں پڑھی تھیں۔ وہ اپنا سارا علم ایدمند کو دے دینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ریاضی، طبیعیات اور تاریخ کے بارے میں اپنی ساری معلومات ایدمند کو بتا دے۔

اگلے ڈیڑھ سال میں فاریا سکھاتا رہا اور ایدمند تیزی سے ترقی کرتا رہا۔ ایدمند اس بات سے خوش تھا کہ اس کے اندر علم کی محبّت موجود ہے۔ اُس نے بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی۔ اس میں ایک تبدیلی اور پیدا ہوئی۔ اس نے ارادے کے بغیر ہی فاریا کے بولنے اور اُٹھنے بیٹھنے کے مہذّب طریقے اپنانے شروع کر دیے۔ جلد ہی ایک کھُردرا ملّاح ختم ہو گیا اور اس کی جگہ ایک نوجوان مہذّب اور شریف انسان ابھر آیا۔

معلومات کے ساتھ ساتھ ایدمند میں عقل بھی آ گئی تھی۔ چناں چہ اُس نے فرار ہونے کے لیے ایک ترکیب سوچی کہ فاریا کی کوٹھری سے اس کے سامنے برآمدے تک وہ ایک سُرنگ کھود یں اور رات کو وہاں بیٹھے ہوئے دونوں محافظ جب اونگھتے ہوں تو سُرنگ سے نکل کر محافظوں کو قابو میں کریں اور اُن کی وردیاں پہن کر اور ان کی چابیاں استعمال کر کے حویلی سے فرار ہو جائیں۔ پھر وہ سمندر میں کود کر تیرتے ہوئے کہیں نکل جائیں۔ دونوں دوستوں نے اس بات پر ہاتھ ملایا۔

ایڈمنڈ تعلیم حاصل کر رہا ہے

مونٹی کرسٹو کا خزانہ

ہفتے گزر گئے، پھر مہینے گزر گئے۔ ایک دن ایڈمنڈ اور فاریا سُرنگ کھودتے کھودتے تھک کر ذرا سستا رہے تھے کہ ایڈمنڈ بولا، "فادر میں اپنے دشمنوں کے بارے میں سوچ

رہا تھا۔ آپ نے مجھے جو تاریخ پڑھائی ہے اُس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا ذہن بُرائی اور شر کے لیے کس طرح کام کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھ پر دو آدمیوں دانگلر اور فرناند نے الزام لگایا ہے۔ دانگلر نے مجھے ایلبا سے خط لاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ فیرون جہاز کا کپتان بننا چاہتا تھا، لیکن اس عہدے کے لیے میرا انتخاب ہوگیا۔ فرناند کو مجھ سے یوں نفرت ہو گئی کہ مرسیدیز نے اس کے بجائے مجھ سے شادی کرنا چاہی۔ اگر مجھے اپنے پُرانے پڑوسی کادیروس سے بات کرنے کا موقع مل گیا ہوتا تو میں ان شبہات کی تصدیق کر سکتا تھا۔ میں نے اس کو اپنی واپسی پر دانگلر اور فرناند کے ساتھ سرائے میں بیٹھے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ وہ میرے بارے ہی میں باتیں کر رہے ہوں گے، کیوں کہ میں جیسے ہی سرائے کے پاس سے گزرا انھوں نے باتیں کرنی بند کر دیں اور یہ ظاہر کیا کہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا ہے۔"

فاریا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت صحیح خیال ہے۔ جب تم نے مجھے اپنے مفصّل حالات بتائے تو مجھے بھی دانگلر اور فرناند پر شک ہونے لگا تھا، لیکن میں چاہتا تھا کہ تم خود اس معمّے کو حل کرو۔"

ایدمند نے اپنی بات جاری رکھی، "معمّے کا ایک حصّہ اب بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وِل فورت نے مجھے یہاں کیوں قید کرایا، جب کہ وہ کہتا تھا کہ مجھے تمھاری بات پر یقین ہے اور تم بے قصور ہو؟"

فاریا نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا، "ہاں واقعی! پھر اس نے جو ایلبا والا خط جلا دیا، یہ بات بھی عجیب ہے۔ نائب سرکاری وکیل نے ایک اجنبی ملّاح کی حمایت میں ایک سرکاری ثبوت کو کیوں ضائع کر دیا۔ جب کہ ملّاح سے پہلے وہ کبھی ملا بھی نہیں تھا۔"

ایدمند نے خیال ظاہر کیا کہ وہ کسی وجہ سے مجھ سے ڈر رہا ہوگا، لیکن میرا یہ خیال بھی بچکانہ ہے۔ میں اتنے بڑے آدمی کو کیسے نقصان پہنچا سکتا ہوں۔ فاریا ایک لمحے سوچ کر بولا، "تم صرف ایک راز جانتے ہو، اور وہ ہے اس باغی کا نام جس کو وہ خط لکھا گیا تھا۔"

"جی فادر، لیکن وہ ایک اجنبی کا نام ہے یعنی نوارتے۔"

یہ سنتے ہی فادر فاریا نے دونوں ہاتھ سر پر اُٹھا لیے۔ وہ چلّایا:

"معلوم ہوگیا! اچھا یہ سبب ہے۔ میں اس باغی نوارتے کو جانتا ہوں وہ وِل فورت کا باپ ہے۔ وِل فورت بڈھے کی وجہ سے اتنا شرمندہ ہے کہ وہ باپ کے بجائے اپنی ماں کا خاندانی نام ایک

ہاں یاد آیا، وہ سرائے میں مجھے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے

اپنے نام کے ساتھ لگاتا ہے۔"

یہ سن کر توایدمند غصّے سے سرخ ہو گیا۔ وہ فاریا کی طرف جھکا اور بڑبڑانے لگا:

"مجھے انتقام لینا ہے۔ مجھے ان تینوں کو ختم کرنا ہے جنھوں نے میری جوانی برباد کی اور مجھے چودہ سال کی قید بھگتنی پڑ رہی ہے۔ اب ہمیں سرنگ کھودنے کے کام میں دُگنا وقت لگانا چاہیے۔"

اس کے بعد واقعی سُرنگ کی کھدائی تیزی سے ہونے لگی۔ جب وہ سُرنگ کے آخری پتھر تک پہنچے، جس کو ہٹانے کے بعد وہ برآمدے تک جا سکتے تھے تو اُنھوں نے صرف تھوڑا سا پلاسٹر کھُرچا۔ باقی کے لیے انھوں نے سوچا تھا کہ فرار کی رات کو ہٹائیں گے۔ اُس وقت تک آخری پتھر کو اپنی جگہ رہنا چاہیے۔ جب وہ سُرنگ مکمل کرکے خوش ہو رہے تھے تو فاریا لڑکھڑا کر گر گیا۔ ایدمند نیم بے ہوش پادری کو بڑی مشکل سے کھینچ کر واپس اس کی کوٹھری میں لے گیا اور چارپائی پر لٹا دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ فاریا کا سانس رُک گیا ہے۔ جیل کے افسروں کی آہٹ سُنی تو ایدمند جلدی سے پیچھے ہٹ کر سُرنگ میں چھُپ گیا اور سُرنگ کا پتھر اپنی جگہ جمانے سے پہلے اُس نے زور سے کہا، "میری مدد کرو، میں بیمار ہوں۔"

اگلے چند روز تک ایدمند کی ہمّت نہ ہوئی کہ وہ سُرنگ کو استعمال کرے۔ وہ فاریا کے لیے پریشان تھا کہ وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ ایدمند نے اپنے تہ خانے کے دروازے پر کان لگائے رکھے۔ آخر اُس نے افسروں کو باتیں کرتے ہوئے سُنا۔ ایک نے کہا، "یہ پاگل ہے مگر مجھے پسند ہے۔" دوسرا بولا، "ہاں، اس کو فالج زدہ دیکھ کر بڑا دُکھ ہو رہا ہے۔"

ایدمند کا دل یہ سُن کر ڈوبنے لگا، لیکن پھر ذرا اطمینان ہوا کہ بہرحال فاریا ابھی زندہ ہے۔

ایک مہینہ بیت گیا تو ایدمند نے اپنی دیوار کے پیچھے وہی پُرانی کھُرچنے کی آواز سُنی۔ اس نے جلدی سے پتھر ہٹایا اور پادری کو اپنے تہ خانے میں بلالیا۔ وہ دونوں گلے مل کر روئے۔ ایدمند یہ دیکھ کر اور بھی رویا کہ پادری کے سیدھے بازو اور ٹانگ پر فالج گر چکا ہے۔ مگر فاریا نے اس کو تسلّی دی۔ بڈھا اتنی مشکل سے ایدمند کے پاس صرف اس لیے آیا تھا کہ اس پر زور دے کہ وہ اکیلا ہی آج کی رات ہی فرار ہو جائے۔ ایدمند کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اُس نے کہا، "میرے واحد دوست! میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے اس عرصے میں ایک منصوبہ بنایا ہے۔ ہم اپنے کمبلوں اور مچھلی کی ہڈیوں سے ایک چھوٹی سی کشتی بنالیں گے۔ پروگرام کے مطابق بھاگ نکلیں گے اور میں آپ کو پانی میں گزار کر کشتی میں بٹھا دوں گا۔"

فاریا کی آنکھوں میں پھر آنسو اُمنڈ آئے، "تم میرے پیارے بیٹے ہو، لیکن میں تم پر بوجھ بن جاؤں گا۔ تم اکیلے ہی چلے جاؤ۔"

ایدمند اپنی بات پر جما رہا۔ اُس نے فاریا کو سہارا دے کر اس کی کوٹھری میں پہنچایا اور کہا کہ

میں اعلان کرتا ہوں کہ تم میرے وارث ہو

رات گئے آکر کشتی کا کام شروع کروں گا۔

جب ایڈمنڈ دوبارہ پہنچا تو فاریا ایک کپڑے پر بنے ہوئے خاکے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایڈمنڈ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے اعلان کیا:

"مارسیلز کے ملاح ایڈمنڈ دانتے! میں نے تمھیں اپنا بیٹا بنایا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں

کہ تم میرے وارث ہو۔ میرے مرنے کے بعد وہ تمام مال و دولت جو مجھے کارڈینل اسپادا سے ورثے میں ملی ہے، تمھاری ہو جائے گی ۔میں تمھاری محبت اور وفاداری کے صلے میں یہ اعلان کر رہا ہوں۔"

اس کے بعد فاریا نے کپڑے پر بنے ہوئے خاکے کی تشریح کی، جو ایک خزانے کا نقشہ تھا۔ اس میں کئی غار تھے، لیکن ایک غار نمایاں تھا۔ اور اس غار میں بہت سے پتھر تھے، لیکن ایک پتھر الگ دکھائی دے رہا تھا۔ جب اس پتھر کو ہٹایا جائے گا تو ایک راستہ نظر آئے گا۔ چار فیٹ آگے چل کر ایک کمرے کا دروازہ ملے گا۔ اس کمرے میں اسپادا کا خزانہ رکھا ہوا ہے۔ جب فاریا کو یقین ہو گیا کہ ایڈمنڈ نقشے کو خوب سمجھ گیا ہے تو اس نے نقشہ جلا دیا۔ ایڈمنڈ نے فاریا کی باتیں سر جھکا کر سنیں، مگر وہ دل میں ڈر بھی رہا تھا۔ یہ باتیں یقیناً پاگلوں کی سی ہیں۔ جب فاریا نے اس کو بتایا کہ جواہرات، سونے کی اینٹیں اور چاندی کی چیزیں کتنی قیمتی ہیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ جیل کے افسر فاریا کو پاگل پادری کہنے میں غلط نہ تھے۔ اس نے دُہرایا، "سات کروڑ فرانک! یہ نہیں ہو سکتا۔ فادر، آپ کو آرام کرنا چاہیے۔"

فاریا کو اندازہ ہو گیا کہ ایڈمنڈ کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے گھبرا کر ہاتھ ہلایا اور کہا، "میرے بیٹے میں پاگل نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں دلیف حویلی سے نہیں نکل سکوں گا۔ اس لیے مجھے بات پوری کرنے دو۔ یہ غار مونٹی کرسٹو کے جزیرے میں واقع ہے۔ تمھیں معلوم ہے؟"

"جی ہاں، ہمارا جہاز فیرون اکثر اس جزیرے پر سے گزرا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا اور غیر آباد جزیرہ ہے۔"

فاریا نے سر ہلا کر تائید کی اور ایڈمنڈ سے کہا کہ وہ اسے چارپائی پر پہنچا دے۔ جیسے ہی وہ لیٹا اس کا زرد چہرہ درد سے اکڑنے لگا۔ آخری سانس لیتے ہوئے فاریا نے کہا:

"پیارے بیٹے، اللہ حافظ! مونٹی کرسٹو کا نام نہ بھولنا۔"

(جاری ہے)

دنیا کے اس چمن میں زندگی ایک ایسا پھول ہے جس کی حقیقی مہک سے لطف اندوز ہوتے کے لیے انسان کو کانٹوں سے زخمی ہونا پڑتا ہے۔ اس کے لیے صبر، ہمت اور برداشت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میں یہ تینوں خوبیاں ہیں تو آپ واقعی ایک نہ ایک دن اس پھول کی حقیقی مہک اور خوب صورتی سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ مرسلہ: منیرہ شبیر جبین، کراچی

نونہال ادب

مُہم جُوئی کی کہانیاں

ہمّت کے کرشمے	—	۸ رُپے
ہیروں کے چور	—	۸ رُپے
سُنہری جھیل	ثریا فرخ	۸ رُپے
گلاب ڈھیری کا نیلم	انور سعید	۸ رُپے
خُفیہ سُرنگ	ثریا فرخ	۸ رُپے
موراے فرار	رفیع الزماں زبیری	۸ رُپے
آخری لمحے	—	۸ رُپے
قراقرم کی وادی	انور سعید	۸ رُپے
پہاڑی مہم	ثریا فرخ	۵ رُپے
گُم شدہ شہر کی تلاش	سعید اختر	۵ رُپے
جھیل کا راز	ثریا فرخ	۷ رُپے
پکڑے گئے	—	۸ رُپے
جزیرے کا سفر	ثریا فرخ	۵ رُپے
منصور نگر کی دولت	ثریا فرخ	۸ رُپے
تین دوست	—	۸ رُپے

سائنس فِکشن

خلا کے پار	ظفر محمود	۸ رُپے
ستاروں کی دُنیا	—	۱۰ رُپے
خلائی طبیب	—	۸ رُپے
خلائی مسافر	—	۸ رُپے

زیرِ طبع

پیلا کوٹ اور دوسری کہانیاں

اچھا انسان ، سچّا دوست

دِین اور اِخلاق

سب سے بڑے انسانؐ	(جیبی اڈیشن)	حکیم محمد سعید	۱ رُپیہ
نقوشِ سیرت	(حصّہ اوّل)	حکیم محمد سعید	۵ رُپے
〃	(حصّہ دوم)	حکیم محمد سعید	۵ رُپے
〃	(حصّہ سوم)	حکیم محمد سعید	۵ رُپے
〃	(حصّہ چہارم)	حکیم محمد سعید	۵ رُپے
〃	(حصّہ پنجم)	حکیم محمد سعید	۵ رُپے
نُور کے پھول		حکیم محمد سعید	۱۵ رُپے
اِسلام کے جاں نثار		رفیع الزماں زبیری	۸ رُپے
کم سِن صحابی		رفیع الزماں زبیری	۸ رُپے

سبق آموز اور دل چسپ کہانیاں

انسان اور جانور	—	۸ رُپے
درویش کا تحفہ اور دوسری کہانیاں	افشاں بیگم	۸ رُپے
بطخ اور لڑکا	محمد عمر احمد خاں	۱۲ رُپے
پیلی چڑیا کالی چڑیا	محمد عمر احمد خاں	۱۲ رُپے
پتھر کی گڑیا (ترکی کے بچوں کی کہانیوں کا انتخاب)	ثروت صولت	۸ رُپے
دینو بابا کا بَیل	ظفر محمود	۸ رُپے
آؤ بچو، کہانی سُنو	(نثری کہانیاں)	۸ رُپے
بیس سال بعد	دُنیا کی بہترین کہانیاں	۸ رُپے
کروڑ پتی فقیر	دنیا کی بہترین کہانیاں	۸ رُپے
گدھے کا سر	—	۸ رُپے
پادری کی روح	—	۸ رُپے
اندلس کا نجومی	—	۸ رُپے
چار بھائی	—	۸ رُپے
جاں نثار دوست	فیروز اختر	۵ رُپے

معلوماتی کتابیں

ریڈیو کی کہانی	سیّد علی ناصر زیدی	۵ رُپے
پرواز کی کہانی	〃	۵ رُپے
بحری جہاز کی کہانی	〃	۵ رُپے
ریل کی کہانی	〃	۵ رُپے
غذا کی کہانی	〃	۵ رُپے
برّی فوج کی کہانی	〃	۵ رُپے
عظیم ایجادات کی کہانی	〃	۵ رُپے
روبوٹ	—	۵ رُپے

پُراسرار کہانیاں

پُراسرار مکان	ظفر محمود	۱۰ رُپے
جادو نگری	〃	۸ رُپے
عمُون کی تباہی	〃	۸ رُپے
حویلی کے بھوت	—	۸ رُپے

شخصیات

جوہرِ قابل	مسعود احمد برکاتی	۷ رُپے

سفرنامہ

دو ملک دو مسافر	مسعود احمد برکاتی	۱۲ رُپے

زیرِ طبع

جیل سے فرار	۵ رُپے
خانقاہ کا خزانہ	۶ رُپے

همدرد فاؤنڈیشن ناظم آباد نمبر ۳ کراچی

پاکستان: آزادی - قدر و قیمت

بزمِ ہمدرد نونہال

رپورٹ
تصویر حسین حمیدی

نیشنل میوزیم پاکستان کا سبزہ زار، آسمان پر گھرے بادلوں کی یلغار، لہلہاتے ہوئے درختوں کی چھتنار، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کی بھر مار، رنگ برنگ پرندوں کی چہکار، سارا منظر فطرت کا شاہکار۔ شام کے پانچ بجے تھے۔ کوئی ایک ہزار نونہال اور بزرگ اپنی نشستوں پر جمے تھے، جیسے گل دانوں میں پھول سجے تھے۔ کراچی میں آج بزم ہمدرد نونہال اپنی روایتی آب و تاب کے ساتھ برپا تھی۔ موضوع تھا: "پاکستان: آزادی - قدر و قیمت"۔ اس موقع پر تحریکِ آزادی پر ایک خصوصی نمائش کا اہتمام بھی تھا جس کا افتتاح جناب حکیم محمد سعید صاحب نے کیا۔ حکیم صاحب نیشنل میوزیم پاکستان کی مشاورتی کاؤنسل کے صدر بھی ہیں۔ تمام نونہالوں نے یہ نمائش بڑی دل چسپی سے دیکھی۔

بزم کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ نونہال حافظ محمد شاہد صدیقی نے خوش الحان تلاوت کی۔ نونہال ثنا بتول نے بارگاہِ رسالت میں عقیدت کے پھول پیش کیے۔ بزم پر ایک روح افزا کیفیت طاری ہو گئی۔ اب ملّی نغمے کی باری تھی۔ جناب صفدر نجمی کی رہ نمائی میں نونہالانِ خوش آواز نے بڑی دل سوزی کے ساتھ نغمہ سنایا:

"کیا آپس میں یوں لڑنے کو یہ پاکستان بنایا تھا"

نونہال اپنے ہمدرد اور دوست جناب حکیم محمد سعید کی دل کش باتیں سننے کے منتظر تھے۔ تو پھر دیر کیا تھی۔ حکیم صاحب نے روسٹرم پر آتے ہی بہادر نونہالوں کو شاباش دی کہ وہ رکاوٹوں کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں اپنی بزم سجانے آپہنچے تھے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اسی موضوع پر پچھلے دنوں پشاور، راولپنڈی اور لاہور میں بھی بزم ہمدرد نونہال منعقد ہو چکی ہے جہاں نونہالوں نے زوردار تقریریں کرکے اپنا لوہا منوالیا۔ حکیم صاحب نے تالیوں کی گونج میں یہ اعلان کیا کہ ۱۰ اکتوبر کو کراچی میں ایک کُل پاکستان بزم ہمدرد نونہال

منعقد ہوگی جس میں پشاور، راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور اور کراچی کے منتخب نونہال مقررین اپنی خطابت اور ذہانت کے جوہر دکھائیں گے۔ حکیم صاحب کے دل پسند

مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر احمد نبی خاں اور میزبان جناب حکیم محمد سعید

تحسین قدس، فارحہ احسان، ثنا بتول، حافظ محمد شاہد صدیقی، محمد یاسر اور رفیعہ سلطانہ

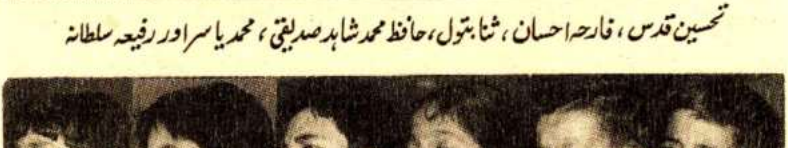

نعمان بن ناصر، زاہد علی، ماریہ احسان، عدنان خالد، بینش رضوی اور نجیب الحسنین

خطاب کے بعد نونہال مقررین کی باری تھی۔ گلستان اسکول کے محمد یاسر، آغاخاں اسکول کی بینش رضوی، نیو شمسی اسلامیہ اسکول کے عدنان خالد، وائٹ ہاؤس گرامر اسکول کی فارحہ احسان، ایچی سن ماڈل اسکول کے نعمان بن ناصر، ایوا اسکول کی ماریہ احسان، سینٹ پال اسکول کے نجیب الحسنین اور وارثی پبلک اسکول کی تحسین قدس نے پاکستان کی آزادی اور اس کی قدر و قیمت پر زوردار تقریریں کیں کہ پوری بزم کو گرما دیا۔ نونہال رفیعہ سلطانہ اور زاہد حسین نے نظمیں پیش کیں۔ بزم کے مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر احمد نبی خاں صاحب نے بزم ہمدرد نونہال کے شرکا کو مبارک باد پیش کی اور کہا کہ یہ نونہال روشن پاکستان کا مستقبل ہیں۔ ڈاکٹر احمد نبی خاں نے جناب حکیم محمد سعید صاحب کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ حکیم صاحب تربیتِ نونہالاں کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس کے بعد تقسیم انعامات کا سلسلہ شروع ہوا۔ نونہال نجیب الحسنین اوّل انعام کے حق دار پائے۔ تحسین قدس دوم اور نعمان بن ناصر سوم انعام کے مستحق ٹھیرے۔ تواضع پر یہ بامقصد بزم اختتام پذیر ہوئی۔

بزم ہمدرد نونہال، پشاور

رپورٹ
ثمینہ صالح

۳۰ جولائی ۱۹۸۹ء بروز اتوار اباسین آرٹس کونسل کے خوب صورت، یخ بستہ اور تاریخی نشتر ہال میں نونہالوں کی بزم منعقد ہوئی۔ اس کی مہمانِ خصوصی صوبہ سرحد کی ممتاز سماجی کارکن اور پاکستان چلڈرن اکیڈمی صوبہ سرحد شاخ کی جنرل سکریٹری محترمہ بیگم سلمیٰ علی خاں تھیں۔ بزم ہمدرد نونہال کی نظامت کے فرائض پشاور کی معروف قلم کار محترمہ شائستہ صالح نے ادا کیے۔ ایک ننھے مُنّے قاری خواجہ غلام فرحان کی تلاوت اور ثوماریہ نادر کی نعت کے بعد جناب حکیم محمد سعید نے گفت گو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ جس وقت ہم نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تھا تو "لے کے رہیں گے پاکستان" اور "بن کے رہے گا پاکستان" کے نعرے سُنے تھے۔ انھوں نے یقین ظاہر کیا کہ ہماری نئی نسل اپنی قومی ذمے داری سے بخوبی آگاہ ہے اور وطن کی بقا کے لیے وہ کسی قربانی سے دریغ نہیں

مہمانِ خصوصی محترمہ سلمیٰ علی خان، میزبان جناب حکیم محمد سعید اور انعام حاصل کرنے والے نونہال

رضا نور   عنبر جاوید   عظمت گل   مہرین سلیم

محمد افنان عالم   محمد شاہد   یاسر حمید   نورین فاطمہ

کرے گی۔

حکیم صاحب کی مختصر اور پُر اثر تقریر کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول کے محمد شاہد نے تقریری سلسلے کا آغاز کیا۔ جن دوسرے طلبہ و طالبات نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ان میں لیڈی گرفتھ اسکول کی نورین فاطمہ، سینٹ میری اسکول کے افنان عالم، گورنمنٹ گرلز اسکول کی عظمت گل، جامع گرلز اسکول کی عنبر جاوید، آرمی پبلک اسکول کے رضا نور، میونسپل گرلز اسکول کی مہرین سلیم اور ایف جی اسکول کے یاسر حمید شامل تھے۔ نونہال مقررین نے نہایت دل نشین اور جامع انداز میں بڑی زور دار تقریریں کیں۔ انھوں نے آزادی برقرار رکھنے کے لیے بزرگوں کی رہنمائی، نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں انقلابی تبدیلیوں پر زور دیا۔

نونہال مقررین کے بعد پاکستان کوئز ہوا اور صحیح جوابات دینے والوں کو انعامات دیے گئے۔ تقریری مقابلے میں ایف جی پبلک اسکول کے یاسر حمید اول، گورنمنٹ اسکول کے محمد شاہد دوم اور گورنمنٹ گرلز اسکول کی عظمت گل سوم انعام کی حق دار قرار پائیں۔ کام یاب طلبہ و طالبات اور حصہ لینے والے مقررین کو گھڑیوں کے خوب صورت انعامات دیے گئے۔

تقریب کی مہمانِ خصوصی محترمہ سلمیٰ علی خاں نے ہمدرد فاؤنڈیشن اور جناب حکیم محمد سعید کی خدمات اور نئی نسل میں آزادیِ پاکستان اور ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ کرنے پر زبردست الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا اور پھر تاریخ کے حوالے سے یہ بات واضح کی کہ جو قومیں اپنی آزادی کا تحفظ نہیں کرسکتیں ان کی ترقی رُک جاتی ہے۔ وہ ایک زندہ قوم کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتیں۔

بزم ہمدرد نونہال راولپنڈی۔ اسلام آباد

رپورٹ

تنویر حسین شاہ

۲راگست ۱۹۸۹ء بروز بدھ ہمدرد ہال راولپنڈی میں بزم ہمدرد نونہال منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی جناب محترم ڈاکٹر عبدالقادر انصاری چیئرمین

مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالقادر انصاری چیئرمین یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن، اسلام آباد

نوید اختر، ندیم احمد بٹ، روبی انور، ثاقب امتیاز، شمائلہ زرپاش اور فواز اسد

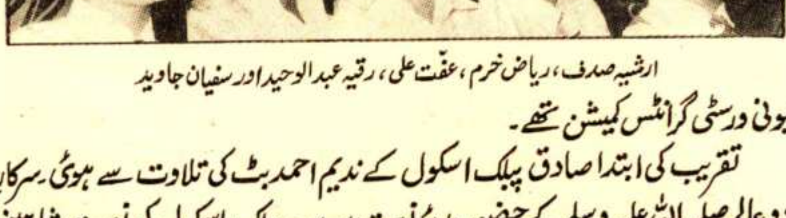

ارشیہ صدف، ریاض خرم، عفت علی، رقیہ عبدالوحید اور سفیان جاوید

یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن تھے۔
تقریب کی ابتدا صادق پبلک اسکول کے ندیم احمد بٹ کی تلاوت سے ہوئی۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیۂ نعت سرسید پبلک اسکول کی نصرت شاہین

نے پیش کیا۔
نعت کے بعد پیانو پر "یہ دیس ہمارا ہے" کی دھن سرسید پبلک اسکول کی ارم نے پیش کی۔
اس کے بعد میزبانِ بزم جناب حکیم محمد سعید صاحب نے مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالقادر انصاری صاحب کا تفصیلی تعارف کرایا اور فرمایا:
" ہمارا وطن بے شمار قربانیوں اور کوششوں سے وجود میں آیا۔ اس کی تحریکِ حصولِ آزادی اور قدر و قیمت سے آگاہ ہونا ہمارا فرض ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جن نظریات کے تحت ہم نے یہ وطن حاصل کیا تھا انھی نظریات کا انشاء اللہ دور دورہ ہوگا اور آنے والی نسلیں ان قربانیوں کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے اپنے فرائض کو پورا کریں گی۔ میزبانِ بزم کے خطاب کے بعد میونسپل گرلز ہائی اسکول کی طالبات نے ملّی نغمہ پیش کیا اور پھر تقریری مقابلے کا آغاز ہوا۔ اس میں برکت علی ماڈل اسکول کے ثاقب امتیاز اوّل، گرامر پبلک اسکول کی ارشیہ صدف دوم اور ایم سی گرلز ہائی اسکول کی روبی انور سوم رہیں۔ تقریری مقابلے کے بعد شمائلہ زو پاش (صادق پبلک اسکول) نے ایک ملی نغمہ پیش کیا۔
مہمانِ خصوصی ڈاکٹر عبدالقادر انصاری صاحب نے فرمایا، " میں آج بے حد خوش ہوں کہ میری ملاقات پیارے بچوں سے ہو رہی ہے۔ میں حکیم محمد سعید صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے بچّوں کو یہاں جمع کیا اور مجھے ان سے بات چیت کرنے کا موقع دیا۔
بچّو! ہم خوش قسمت ہیں کہ ایک آزاد وطن میں سُکھ کا سانس لے رہے ہیں۔ یہ سُکھ اُسی وقت تک حاصل رہے گا جب تک ہم غیروں اور اپنوں کی سازشوں سے خود کو محفوظ رکھیں گے۔ بُرے کام ملک کے لیے نقصان دہ ہیں۔ تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر عمل کرکے اپنے وطن کی تعمیر کریں۔ انشاء اللہ ہمارا ملک دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا۔"
اس کے بعد ایشیا ماڈل اسکول کے گل محمد نے ملّی نغمہ پیش کیا۔ اس کے بعد سرزمین

پاکستان، پاکستان کی عظیم شخصیات اور پاکستان کی ایجادات پر کوئز ہوا۔
برکت علی ماڈل اسکول کے طلبہ و طالبات نے ایک ٹیبلو پیش کیا اور ٹیبلو کے بعد سر سید پبلک اسکول کی بشریٰ سعید نے ملّی نغمہ پیش کیا۔ آخر میں انعامات تقسیم کیے گئے۔

بزم ہمدرد نونہال، لاہور

رپورٹ
سردار صدیقی

بزم ہمدرد نونہال کی دل چسپ اور سبق آموز تقریب لاہور میں ۴ اگست کو منعقد ہوئی جس کا عنوان "پاکستان۔ آزادی۔ قدر و قیمت" تھا۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی محترم جسٹس فضلِ محمود (جج لاہور ہائی کورٹ) تھے۔ اس تقریب میں ۹ مختلف اسکولوں کے بچوں نے تقریریں کیں۔ تلاوتِ قرآنِ پاک نونہال قاری واجد حسین زیدی نے، نعتِ رسولِ مقبولؐ نونہال حیدر علی نے، قومی ترانہ نونہال وجیہ قدوسی نے اور دعائیہ نظم طالبہ صبیحہ عمران نے پیش کی۔ ڈویژنل پبلک اسکول کے نونہالوں نے ملّی نغمے پیش کیے۔ اس پروگرام کی کمپیئرنگ نونہال نورین ناصر اور عنبرین ناصر نے کی۔ میزبانِ بزم جناب حکیم محمد سعید نے اپنے ابتدائی کلمات میں کہا، "آزادی زندگی ہے۔ آزادیِ وطن نعمت ہے اور عظمت ہے۔ ۲۷ رمضان المبارک کو جمعے کے مبارک دن شبِ قدر کی نیک ساعتوں میں پاکستان قائم ہوا۔ پاکستان بڑی شدید و کثیر قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا۔ اس نے ہمارا مرتبہ بلند تر کر دیا۔ آزادی کا نغمہ سنایا اور محبت کا جذبہ دیا، ایثار سکھایا اور تعمیر کا درس دیا۔ عظمتوں اور رفعتوں کی راہوں کا تعین کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں ہر نعمت ہمیں عطا فرمائی اور ہر راحت اور آرام کا سامان کر دیا، مگر ہم نے پاکستان کی قدر نہیں کی۔ ہمیں اپنے وطن کی قدر کرنی چاہیے اور اس کی دل و جان سے حفاظت ایک اچھے پاکستانی کا ثبوت دیتے ہوئے خوب کرنی چاہیے۔"

تقریب کے مہمانِ خصوصی جناب جسٹس فضلِ محمود نے بچوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، "یہ نونہال پاکستان کا مستقبل ہیں اور یہ پاکستان کا مستقبل بدلنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ اگر نونہال اور نوجوان تحریکِ پاکستان کے چیلنج کو قبول نہ کرتے تو پاکستان

تاخیر سے یا زیادہ مشکلات کے بعد قائم ہوتا۔ آپ اُنھی کے نقش قدم پر چلیں، جنھوں نے تکمیلِ پاکستان کے وقت اپنا تن من دھن سب کچھ لُٹا دیا۔ بچوں کی تربیت والدین سے ہوتی ہے اور بچوں کی ابتدائی تعلیم اساتذہ کے پاس ہوتی ہے۔ انھیں اپنا فرض بڑے اچھے طریقے

مہمانِ خصوصی محترم میاں جسٹس فضلِ محمود حاضرین سے خطاب فرما رہے ہیں۔

محمد علی خاں، محمد انس بن غازی، حمیرا ناز قدوسی، فیصل چوہدری، نیلم قمر اور خرم شہزاد

حیدر علی، سمیعہ فاطمہ، کاشف حمید، وجیہہ قدوسی، واجد حسین زیدی اور محمد حبیب اللہ عزیز

سے انجام دینا چاہیے۔ اگر ان میں ہم آہنگی نہ ہو تو صحت مند معاشرہ نہیں بن پاتا۔ ماں باپ کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا احترام بھی ضروری ہے۔ ہماری امیدیں آج کے نونہالوں سے وابستہ ہیں۔ آپ اور ہم بہت خوش قسمت ہیں جو اس قوم میں پیدا ہوئے۔"

مہمانِ خصوصی نے ہمدرد فاؤنڈیشن کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا، "اگر ہمدرد فاؤنڈیشن اس قسم کی تقریبات منعقد کرتا رہا تو پاکستان کا مستقبل درخشندہ ہو جائے گا۔"

نونہال محمد علی (سینٹرل ماڈل اسکول) نے پُرجوش تقریر کرکے ہمدرد شیلڈ حاصل کی۔ پہلا انعام خرم شہزاد (گورنمنٹ ماڈرن اسکول) نے اور دوسرا اور تیسرا انعام بالترتیب نیلم قمر اور محمد انس بن غازی نے حاصل کیا۔ نونہال محمد حبیب اللہ عزیز (علامہ اقبال پبلک اسکول) کو خصوصی انعام دیا گیا۔ تقریب کے آخر میں کوئز ہوا اور یوں یہ دل کش رنگا رنگ تقریب پاکستان زندہ باد کے نعرے کے بعد اختتام پذیر ہوئی۔

نونہال ادب

اسلام کے جاں نثار

رفیع الزماں زبیری

○ اسلام کے جاں نثاروں کے حالاتِ زندگی جنھوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

○ شہادت کی آرزو جنھیں بے چین رکھتی تھی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت جنھیں اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔

○ اطاعت اور فرماں برداری کی روشن مثالوں سے مزین۔

قیمت
۸ روپے

خوب صورت کتاب عمدہ طباعت

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

نئی کارمینا نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں ایک مدّت سے عالمی شہرت یافتہ کارمینا کو زیادہ موثر بنانے کے لیے تحقیق جاری تھی تاکہ اسے دورِ جدید کے انسان کی ضروریات سے ہم آہنگ رکھا جائے۔ نئی کارمینا اسی تحقیقی عمل کا ماحصل ہے۔ پودینے کے جوہر اور دیگر مفید اجزا کی شمولیت نے نئی کارمینا کو زیادہ قوی اور زود اثر بنا دیا ہے۔

نئی کارمینا نظامِ ہضم کو درست رکھنے میں اب پہلے سے زیادہ مُفید و معاون ہے۔ خرابیٔ ہضم کی شکایات مثلاً بدہضمی، قبض، گیس، دردِ شکم اور بھوک کی کمی وغیرہ کے لیے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

دردِ شکم میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں نیم گرم پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

بدہضمی، قے یا متلی کی شکایت میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چُوسیں۔

نئی کارمینا کی دو سے چار ٹکیاں باقاعدگی کے ساتھ رات کو سوتے وقت نیم گرم پانی سے استعمال کی جائیں تو دائمی قبض سے نجات مل جاتی ہے۔

بُھوک کی کمی کی شکایت میں صبح ناشتے سے پہلے، دوپہر، اور رات کے کھانے سے قبل نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چُوسیے۔

بچّوں کو حسبِ عمر آدھی یا ایک ٹکیہ نئی کارمینا دیجیے۔

خوش ذائقہ

نئی کارمینا

ہر گھر کی اہم ضرورت

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

تحقیق اور تخلیق سے

Adarts-CAR-1/88

نونہال مصوّر

محمد عدیل قریشی ، کراچی

سید وسیم اختر
کراچی

نازیہ محفوظ ، کراچی

نعیم احمد خان زادہ ، سکھر

محمد طارق
احمد خاں
کراچی

جیبب رحمانی ، کراچی

محمد فاروق ، کراچی

سیما
انصاف
کراچی

شازیہ نور ، کراچی

بنٹی
حیدر آباد

نیلوفر
تبسم
کراچی

سلسلہ ۲۸۲

معلوماتِ عامہ

سوالات کی تعداد اس بار بھی دس ہے۔ تصویریں صرف دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۹ء تک ہمیں بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا نام اور پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ بتائیے "جنگِ جسر" کن خلیفہ کے زمانے میں لڑی گئی ؟
۲۔ آل انڈیا خلافت کمیٹی جولائی کے مہینے میں قائم ہوئی تھی۔ سنہ آپ پتا دیجیے۔
۳۔ علامہ اقبال کی شاعری میں کس پرندے کا ذکر خصوصیت سے ملتا ہے ؟
۴۔ غیاث الدین بلبن کے بعد ہندستان کے تخت پر اس کا پوتا بیٹھا تھا۔ نام معلوم ہے آپ کو ؟
۵۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق اور مرزا غالب آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ کیا آپ بادشاہ کے کسی اور استاد کا نام بتا سکتے ہیں ؟
۶۔ دریائے ڈینیوب یورپ کا سب سے بڑا دریا ہے۔ یہ جس سمندر میں گرتا ہے اس کا نام بتا دیجیے۔
۷۔ امیر کروڑ کس زبان کے قدیم ترین شاعر ہیں ؟
۸۔ بتائیے حرارت ناپنے کے فارن ہائیٹ پیمانے کا موجد کون تھا ؟
۹۔ برِاعظم افریقہ کے سب سے چھوٹے آزاد ملک کا نام بتائیے۔
۱۰۔ گرین لینڈ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ بتائیے یہ کس ملک کے ماتحت ہے ؟

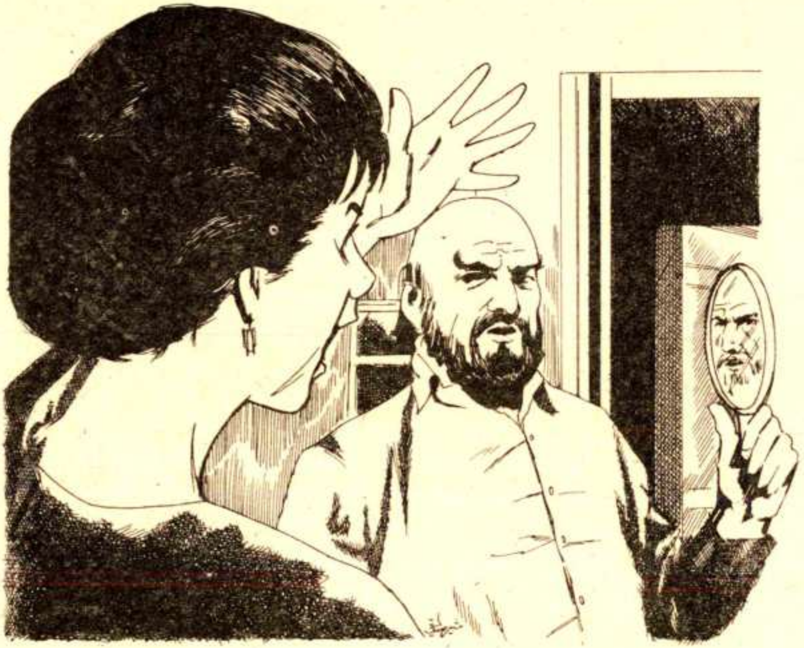

آئینہ

بہت زمانہ ہوا ایک پھیری والا کابلی پٹھان دھان کے کھیت میں سے ہو کر گزر رہا تھا۔ بے خیالی میں اس کا پیر ایک پتھر پر پڑ گیا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ اس نے جھک کر نیچے پڑے ہوئے پتھر کو ہٹایا۔ اس کے تھیلے میں سے ایک آئینہ نکل کر گر پڑا۔ کابلی والے پٹھان کو پتا بھی نہ چل سکا اور وہ آگے بڑھ گیا۔

دوسرے دن کھیت کا مالک آیا تو اسے اپنے کھیت میں آئینہ پڑا ہوا ملا۔ وہ بے چارہ سیدھا سادہ کسان تھا جو کبھی گاؤں کے باہر نہ گیا تھا۔ اس نے اُلٹ پلٹ کر آئینے کو دیکھا، مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ وہ اسے ہاتھ میں تھام کر حیرت سے گھورنے لگا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آئینے میں اس کو اپنا عکس نظر آیا مگر وہ کون تھا۔ وہ بڑا چکرایا۔ اس نے آئینے کو ہلایا جلایا مگر اس کا ہم شکل

اس کو برابر گھورتا رہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ میرے باپ کا چہرہ ہے"۔ اس نے دِل ہی دل میں کہا۔ اس کا باپ اس کے بچپن ہی میں مر گیا تھا۔ اسے اپنے باپ کی دُھندلی سی صورت یاد تھی۔ پھر اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ میرا باپ ہے۔ پھر اس نے بڑے ادب سے آئینے میں اپنے عکس کو سلام کیا، آخر کو وہ اس کا باپ تھا۔

"میرے اچھے بابا! تم آسمان سے اُتر کر مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو اور اب یوں کھیت میں چُھپ کر بیٹھے ہو! آؤ میں تمھیں اپنے ساتھ گھر لے چلوں"۔

آئینہ ہاتھ میں لیے ہوئے وہ کھیت میں چل دیا۔ راستے بھر وہ اپنے باپ سے باتیں کرتا رہا اور اُسے اپنے بیتے دِنوں کی کہانی سناتا رہا۔ وہ اپنی ہی دُھن میں بولنے لگا:

"دیکھو بابا! تمھارے مرنے کے بعد میں نے یہ سُنہرا سُنہرا دھان بونا شروع کیا تھا۔ دیکھو، اس دھوپ میں چمکتی ہوئی بالیاں کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔ بس فصل اب تیاری پر ہے بابا! تمھیں اپنا گھر بھی دکھاؤں گا۔ کھیت کے اس پار میرا گھر ہے۔ تم تو ایک جھونپڑا بنا کر ہی سدھار گئے تھے۔ اب میں نے اس جھونپڑے کے برابر ایک جھونپڑا اور بنا لیا ہے۔ چلو تم خود ہی دیکھ لو چل کر"۔

وہ سیدھا اپنے گھر آیا اور اِدھر اُدھر کوئی ایسی جگہ ڈھونڈنے لگا جہاں آئینہ سنبھال کر رکھ سکے۔ لیکن اس کے پاس نہ کوئی صندوق تھا نہ پٹاری۔ آخر جب اسے کچھ نہ ملا تو اس نے ایک خالی گھڑے میں آئینہ رکھ دیا اور واپس کھیت پر چلا گیا۔

سارا دن اس کا دھیان اسی آئینے میں لگا رہا۔ پھر تو یہ اس کا روز کا معمول ہو گیا۔ وہ کام پر جاتا اور تھوڑی دیر بعد گھر واپس آ کر کوٹھڑی میں جا کر آئینہ نکالتا اور اسے بڑی عقیدت سے دیکھتا اور پھر اُسی جگہ پر رکھ کر واپس چلا جاتا۔ وہ کہتا تھا:

"بابا! دل تو نہیں چاہتا کہ میں تمھیں اکیلا چھوڑوں، لیکن کیا کروں مجبوری ہے۔ کام تو کرنا ہی ہے، ورنہ کھاؤں گا کہاں سے!"

اسی طرح دن گزرتے رہے۔ اس کی بیوی دن بھر باورچی خانے میں کام میں جُتی رہتی تھی۔ اُسے اس بات پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ اس کا شوہر بار بار کام چھوڑ کر گھر کیوں آتا تھا۔ اب وہ اس

سے زیادہ بات بھی نہیں کرتا تھا اور خاموش خاموش سا رہتا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی حالت سے بڑی پریشان تھی۔ وہ سوچتی:

"کتنا ہنس مُکھ تھا وہ! ہمیشہ مجھ سے پوچھا کرتا تھا کہ مجھے کیا چاہیے۔ اس کا قہقہے لگانا اور چٹکلے سُنانا کتنا اچھا لگتا تھا۔ اب تو وہ مجھ سے بولتا تک نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا بات ہو گئی ہے جو وہ ایسی عجیب حرکتیں کر رہا ہے۔"

ایک دن جب اسے اپنے شوہر کے پیروں کی آہٹ سنائی دی تو وہ چُپکے چُپکے باورچی خانے سے نکل کر آئی اور چھُپ کر دیکھنے لگی کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ اس کے شوہر نے گھڑے میں سے کوئی چیز نکال کر اپنے ہونٹوں اور آنکھوں سے لگائی، اسے دیکھ کر وہ ہوے سے مسکرایا اور اُسے پھر گھڑے میں رکھ دیا۔

جیسے ہی کسان باہر گیا۔ بیوی نے گھڑا کھولا۔ اندر آئینہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہے، مگر جب اُسے اپنا ہی چہرہ اس میں نظر آیا تو وہ ہکّا بکّا رہ گئی۔ وہ دُکھ بھری آواز میں بولی:

"اچھا! تو یہ معاملہ ہے۔ انھوں نے دوسری شادی کر رکھی ہے، اس لیے وہ مجھ سے بات بھی نہیں کرتے۔ انھوں نے اپنی دوسری بیوی کو یہاں چھُپا رکھا ہے اور اس سے باتیں کرتے ہیں۔ آنے دو آج! میں بھی وہ سبق سکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔"

ایک جھاڑو ہاتھ میں لیے وہ شوہر کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ جب اس کا شوہر دن بھر کے کام کے بعد تھکن سے چوُر لوٹا تو بہت بھوکا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس نے قدم اندر رکھا اس کی بیوی جھاڑو لے کر دوڑی،

"مکّار آدمی! یہ تُو نے کیا کیا؟ مجھے کیوں دھوکا دیا؟" اور پھر آئینہ اس کی طرف اُچھال کر بولی، "کون ہے یہ عورت جس سے تُو نے شادی رچائی ہے؟"

اب کسان حیران پریشان اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں اپنی بیوی کی کوئی بات بھی نہیں آئی تھی۔ وہ بڑی بے بسی سے بولا:

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم! یہ تو میرے باپ ہیں۔ میرے پیارے بابا!" اس نے جھُک کر بڑی احتیاط سے آئینہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کیا میں اندھی ہوں؟" بیوی نے غصّے سے آئینہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ "دیکھوں تمھارے

باپ کو! تم اس عورت کو اپنا باپ بتاتے ہو؟"
کسان جلدی سے بولا، "تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا! لو خود دیکھ لو کہ پاگل کون ہے؟"
"یہ تمھارے بابا ہار کب سے پہننے لگے؟ کیا ایسے ہی لمبے لمبے بال ہیں تمھارے بابا کے؟" بیوی مسلسل چیخ رہی تھی۔
لڑائی جھگڑے کی آواز سن کر محلّے پڑوس والے بھاگے ہوئے آئے۔ ایک عورت بولی:
"یہ کیسا شور ہو رہا ہے؟ آج زندگی میں پہلی بار ہم نے تم دونوں میاں بیوی کی لڑنے جھگڑنے کی آوازیں سُنی ہیں۔"
کسان کی بیوی نے آئینہ اس کے سامنے کر دیا اور بولی، "خود دیکھ لو اس عورت کو! میرے میاں نے اس سے شادی کر لی ہے اور چھپا کر گھڑے میں رکھا ہوا ہے۔ مجھ سے بہانے بناتے ہیں کہ یہ میرے بابا ہیں۔"
پڑوسن نے اس کے کندھے پر جُھک کر دیکھا تو اُسے آئینے میں دو چہرے دکھائی دیے۔
"ارے! دیکھو، یہ تو تمھارا چہرہ ہے۔ لیکن یہ دوسری عورت کون ہے؟" پڑوسن نے کہا۔
"کیا اُول جلول بک رہی ہو تم!" کسان نے آئینے میں دیکھا اور پھر وہ خود حیران رہ گیا اور ڈرتے ڈرتے بولا: "دیکھو! دو نہیں اس میں تین چہرے ہیں۔" اب تو وہ سبھی حیران ہو گئے۔ وہ کبھی ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھتے اور کبھی اشتیاق سے آئینے میں جھانکنے لگتے۔
سارے پڑوسی انھیں گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ سب نے ایک ایک کر کے آئینہ دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ بڑی عجیب و غریب چیز تھی وہ آخر کافی دیر بحث کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھانے بجھانے کے بعد جا کر ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اس چیز میں کوئی اور نہیں بلکہ دیکھنے والے کا عکس نظر آ رہا ہے۔

کراچی میں ہمدرد نونہال اور ہمدرد کی کتابیں ان دکانوں سے بھی مل سکتی ہیں

● عرشی نیوز پیپر اینڈ میگزین سپلائر، گلشنِ حدید، اسٹیل ٹاؤن، بن قاسم، کراچی

● میسرز طاہر نیوز پیپرز اینڈ بک ایجنسی، پریڈی اسٹریٹ، صدر، کراچی

● میسرز کراچی بک ڈپو اردو بازار کراچی۔

کھیل کھلائیے

● ایک صاحب پہلی بار کرکٹ کھیل رہے تھے۔ باؤلر نے ان کو پہلی ہی گیند باؤنسر پھینکی۔ گیند ان کے سر کے پاس سے زن کر کے نکل گئی۔ یہ دیکھ کر وہ صاحب پویلین کی طرف چل پڑے۔ امپائر نے ان سے کہا، "میں نے تمھیں آؤٹ نہیں دیا۔" ان صاحب نے جواب دیا، "عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔"

● ایک موٹر سائکل پر تین آدمی بیٹھے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں پولیس والے نے انھیں پکڑ لیا اور پوچھا، "ایک موٹر سائکل پر تم تین کیوں سوار ہو؟"

ان میں سے ایک نے کہا، "ہمارا چوتھا ساتھی گاؤں گیا ہوا ہے۔" مرسلہ: ولی محمد، کراچی

● ایک فوجی افسر نے اپنی ترقی کی خوشی میں سب دوستوں کو دعوت دیتے ہوئے کہا:

"کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑنا جس طرح دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔" ایک فوجی نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا اور اس کے بعد مٹھائی اٹھا کر اپنی جیب میں رکھنے لگا۔ افسر نے بڑے غصّے سے پوچھا، "یہ کیا کر رہے ہو؟"

فوجی نے جواب دیا، "جتنوں کو مار سکا مار دیا باقی کو قیدی بنا رہا ہوں۔" مرسلہ: آسیہ ارم، کراچی

● ایک دُکان کے باہر بورڈ لگا ہوا تھا:

"قیمتوں میں حیرت انگیز کمی۔"

ایک خاتون نے دُکان میں داخل ہو کر سیلز مین سے پوچھا کہ آپ نے قیمتوں میں کتنے فیصد کمی کی ہے۔

سیلز مین نے جواب دیا، "۲ فیصد۔"

خاتون نے حیرت سے کہا، "مگر آپ نے بورڈ پر تو حیرت انگیز کمی لکھا ہے۔"

سیلز مین نے جواب دیا، "تو کیا آپ کو حیرت محسوس نہیں ہوئی؟" مرسلہ: عطیہ ارم، کراچی

● مریض بے خبر سو رہا تھا۔ نرس نے آ کر جگایا اور کہا:

"یہ تمھیں دینا بھول گئی تھی۔"

مریض نے پوچھا، "یہ کیا ہے؟"

"نیند کی گولی۔" نرس نے جواب دیا۔

مرسلہ: سرفراز خان، اٹک

● بیوی: سُنا ہے آپ کے فلسفی دوست سمندر میں ڈوب کر مر گئے ہیں۔

شوہر: ہاں، انھیں ہر چیز کی گہرائی میں جانے کا

شوق تھا۔ مرسلہ: عامر محبوب، گوجر خان

● شیخ چلی کا گدھا مر گیا تو وہ رونے لگے۔ محلے کے شریر لڑکے بھی اُن کی نقل کرنے لگے۔ کچھ بڑوں نے لڑکوں کو ڈانٹا کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟

شیخ چلی نے فوراً کہا، "انھیں رونے دو مرحوم ان کا بھائی تھا۔"

مرسلہ: شاہ پسند خان ترنگزئی، چارسدہ

● دو میاں بیوی ایک مسئلے پر جھگڑ رہے تھے۔ آخر میاں نے کہا، "بیگم! ہمیں یہ مسئلہ عقل سے سُلجھانا چاہیے۔"

بیگم نے غصّے میں کہا، "تاکہ تم جیت جاؤ!"

مرسلہ: شکیلہ اِرم ناز، لانڈھی

● ایک بھکاری نے دوسرے بھکاری کو سڑک پر کھڑے بھیک مانگتے دیکھا تو کہا:

"تمھاری جگہ تو پُل پر تھی۔ پھر تم نے جگہ کیوں تبدیل کر لی؟"

پہلے بھکاری نے کہا، "بات دراصل یہ ہے کہ کل میرے بیٹے کی شادی ہوئی ہے۔ میں نے پُل اُسے شادی کی خوشی میں تحفے میں دے دیا ہے۔"

مرسلہ: شہلا عروج، کراچی

● نازیہ: (نگہت سے) کیا تمھاری مِس سمجھ گئی تھیں کہ پرچہ حل کرنے میں میں نے تمھاری مدد کی ہے؟

نگہت: ہاں، وہ کہہ رہی تھیں کہ صرف ایک لڑکی اتنی غلطیاں نہیں کر سکتی۔

مرسلہ: عمر خطاب خاں، کراچی

● ایک مٹھائی فروش کو ملازم کی ضرورت تھی۔ وہ دفترِ روزگار پہنچا۔ انچارج نے اس سے پوچھا، "آپ کو کس قسم کا ملازم چاہیے؟ جوان، بوڑھا، شادی شدہ یا کنوارا؟"

"مجھے تو ایسا ملازم چاہیے جو شوگر کا مریض ہو۔" مٹھائی فروش نے جواب دیا۔

مرسلہ: عاصم کامل، کراچی

● خفیہ پولیس کے ایک انسپکٹر کی شادی تھی۔ وہ اپنے دوست کے ساتھ دولھا بنا ہوا کار میں جا رہا تھا۔ پیچھے براتیوں کی بس تھی۔ اچانک انسپکٹر نے سہرا اُٹھا کر اپنے دوست سے کہا، "عارف، دیکھو پیچھے جو بس آ رہی ہے وہ مجھے کچھ مشکوک لگتی ہے۔ گھر سے ہمارا مسلسل پیچھا کر رہی ہے۔"

مرسلہ: رضوانہ بشیر، کراچی

● ایک دفعہ دو آدمی بجلی کے تار ٹھیک کرنے کے لیے کھمبے پر چڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک کار گزری۔ اس کے ڈرائیور نے جب ان کو اوپر چڑھتے دیکھا تو منھ ہی منھ میں بڑبڑایا:

"کم بخت مجھے دیکھ کر اس طرح کھمبے پر چڑھ گئے ہیں جیسے مجھے گاڑی چلانی ہی نہیں آتی۔" مرسلہ: شفیع اللہ خان، نصرت خیل

نونہال ادیب

حمد

شاعر : ارشاد الحق قدوسی

پسند : ریاض مشتاق

یہ جہاں فنا کا شکار ہے
فقط ایک تجھ کو قرار ہے
تو رحیم ہے تو خبیر ہے
تو کریم ہے تو بصیر ہے
تو محیطِ عرصۂ دہر ہے
تو جہان بھر کا حصار ہے
ترے رحم کی نہیں انتہا
ترے فیض کی کوئی حد نہیں
نہ کرم کا کوئی حساب ہے
نہ عطا کا کوئی شمار ہے
ترا جلوہ کون و مکاں میں ہے
ترا ذکر دونوں جہاں میں ہے
تو ہی وجہِ عالمِ این و آں
تری ذات سے یہ بہار ہے

نعت

شاعر: ماہر القادری

پسند : ثروت سلیم، کراچی

نبیؐ کے ذکر سے دِل کو سرور ملتا ہے
کہ دُور رہ کے بھی کیفِ حضورؐ ملتا ہے
یہ بزم وہ ہے کہ جس بزم کے چراغوں سے
یقیں کو روشنی، ایماں کو نور ملتا ہے
جہاں میں اور کہیں بھی سکوں مِلے نہ مِلے
مگر مدینے پہنچ کر ضرور ملتا ہے
نبیؐ کی ذات پہ ماہر درود اور سلام
زباں کو لطفِ شرابِ طہور ملتا ہے

شفق

شاعر : محمد اسمٰعیل میرٹھی

پسند : عطیہ ارم، کراچی اور اسرار الحق خانزادہ، ٹنڈو جام

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار
ہوا میں کھلا ہے عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ
جنھیں دیکھ کر عقل ہوتی ہے دنگ
نیا رنگ اور نیا رُوپ ہے
ہر اِک روپ میں یہ وہی دھوپ ہے

طبیعت ہے بادل کی رنگت پہ لوٹ
سُنہری لگائی ہے قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی
بنفشی و نارنجی و چمپئی
یہ کیا بھید! کیا کرامات ہے
ہر اِک رنگ میں اِک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ
بنے سونا چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیل گوں اس میں سرخی کی لاگ
ہرے بن میں گویا لگادی ہے آگ
اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پردے پھٹے لال بانات کے

میں نے دیکھا "نونہال"

شاعر: نعیم احمد، کراچی

میں نے دیکھا نونہال جس کو پڑھ کر سب خوشحال
احمد، سید، خالد، راشد ناصر، عامر اور جمال
میں نے دیکھا نونہال
سب سے پہلے 'جاگو جگاؤ' پھر سُن لو تم 'پہلی بات'
پھر سونگھو تم 'گلدستہ' یا کہہ لو 'خیال کے پھول'
میں نے دیکھا نونہال
حامد میری بات سنو یہ پیسے تم مجھ سے لو
جلدی سے بازار سے جاکر لے آؤ اِک نونہال
پھر دیکھو اس کا کمال
میں نے دیکھا نونہال

جاگو اور جگاؤ

شاعر: شفیع الدین نیّر
پسند: محمد نبیل رفیق، کراچی

جاگو، جاگو، جاگو پیارے جاگے دُنیا والے سارے
دیکھو سورج، چاند، ستارے کرتے ہیں سب تم کو اشارے
تم بھی غفلت سے باز آؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ
بے کاری کا رونا کب تک وقت کو اپنے کھونا کب تک
تکیہ اور بچھونا کب تک جاگو، جاگو، سونا کب تک
سونے والو! جلدی آؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

بجلی

شاعر: ضیاء الحسن ضیا
پسند: جاوید عبدالکریم، کراچی

بجلی ہم سب کے کام آتی ہے اپنے کرتب ہمیں دکھاتی ہے
قُمقُمے اس سے جھلملاتے ہیں روشنی ہر طرف لُٹاتے ہیں
کارخانوں کی شان ہے اس سے اور مشینوں میں جان ہے اِس سے
اِس سے پنکھے چلائے جاتے ہیں ریڈیو بھی بجائے جاتے ہیں
ہاتھ سے کام دیر میں ہوتا آدمی وقت کس قدر کھوتا
اس سے ہیٹر ذرا جو گرمائے چند لمحوں میں کھانا پک جائے
یہ نہ ہوتی تو دیکھتے کیسے ٹیلے وژن پہ لوگ ہم ایسے
بجلی ہوتی یہاں نہ گر بچو
جگمگاتے نہ بام و در بچو

قدم مِلا کے چلو

اِرم ضیا، کراچی

ساتھیو: ہمارے ہاں ایسے بے شمار لوگ ہیں جو احساسِ کمتری کا شکار ہیں کوئی پیسے کی کمی کی وجہ سے اور کوئی اپنی کسی اور کم زوری کی وجہ سے۔ ہمارے ہاں بہت سے لوگ معذور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ انھیں معاشرے پر بوجھ سمجھتے ہیں۔ حال آنکہ ہم سب کی ذرا سی محنت اور توجہ سے وہ معاشرے کے مفید افراد بن سکتے ہیں۔ وہ معاشرے کے اہم ستون ہوتے ہیں۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں بہت سی ایسی مثالیں نظر آتی ہیں کہ جب بہت سے باہمّت لوگوں نے اپنی جسمانی کم زوری یا معذوری کو نظر انداز کرتے ہوئے دنیا میں ایسے ایسے کارنامے انجام دیے کہ وہ کام عام لوگ بھی انجام نہیں دے سکتے۔ ہیلن کیلر کے نام سے کون واقف نہیں۔ انھوں نے نابینا ہونے کے باوجود کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا کہ لوگ آج بھی اُن کو یاد کرتے ہیں۔

جو لوگ اخلاقی اور روحانی طور پر معذور ہیں ان کی صحیح تشخیص کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کی اخلاقی اور ذہنی پستی دُور کرنے کے لیے زیادہ محبّت، توجّہ اور ہمّت افزائی کی ضرورت ہے۔ ان کے لیے نرم جذبات رکھنے چاہییں۔ ہمیں چاہیے کہ ان لوگوں کو تھوڑا سا وقت دیں۔ آپ اپنے آس پاس نظر دوڑائیے کہیں کسی کو آپ کی توجہ کی ضرورت تو نہیں؟

ایک عجیب واقعہ

شازیہ یوسف، کراچی

ہم اور کچھ لوگ بس اسٹاپ پر کھڑے ہوئے تھے کہ لَسں بیلہ کے پُل سے ایک تیز رفتار ٹرک آتا دکھائی دیا۔ کچھ لوگ جو سڑک پار کرنا چاہتے تھے تیز رفتار ٹرک کو دیکھ کر رُک گئے، مگر ایک ۸، ۹ سال کے لڑکے نے اچانک سڑک پار کرنا شروع کی۔ لوگوں نے اس کو روکنے کی کوشش کی، مگر جب تک تیز رفتار ٹرک اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ ہم نے اور لوگوں نے دیکھا کہ وہ بچّہ ٹرک کے نیچے آگیا ہے۔ ٹرک والے نے بریک لگائے۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ٹرک چوں کہ انتہائی تیز رفتاری سے آرہا تھا اس وجہ سے بریک لگانے کے باوجود وہ ۳۰، ۳۵ فیٹ تک گھسٹتا چلا گیا۔ لوگ ٹرک کی طرف دوڑے۔ ٹرک ڈرائیور بھی خوف زدہ سا نیچے اُترا تاکہ بچّے کو دیکھ سکے کہ وہ کس حالت میں ہے مگر لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بچّے کا وہاں کوئی وجود نہیں تھا۔

تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ

جس بچّے کو تلاش کیا جارہا ہے وہ تو سڑک پار کرکے دوسری طرف پہنچ گیا ہے۔ سب لوگ حیران تھے کہ بچّہ کس طرح دوسری طرف سڑک پار کرکے پہنچ گیا، جب کہ سب نے دیکھا تھا کہ بچّہ ٹرک کے نیچے آگیا تھا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زندگی دینی تھی اس لیے اسے کوئی گزند نہیں پہنچی اور وہ ٹرک کے نیچے سے نکلتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم احتیاط سے سڑک پار کریں اور گاڑی چلانے والے حضرات سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنی گاڑیوں کی رفتار معتدل رکھیں اور احتیاط سے چلائیں، کیوں کہ اس طرح وہ نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی زندگیوں کو بھی حادثات سے محفوظ رکھ سکیں گے۔

محبّت کی بانسری

محمد وسیم مغل، میرپور خاص

چاندنی رات تھی۔ گاؤں کی فضا خاموش تھی۔ آبادی سے ذرا دُور بنے چوپال میں بانسری کی سُریلی اور مدّھم دُھن اب آہستہ آہستہ تیز ہوتی جارہی تھی۔ بانسری کی خوب صورت دُھن پر چوپال میں بیٹھا ہر شخص جھوم رہا تھا۔ طلسمی تان سب لوگوں کو اپنے سحر میں جکڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے چاندنی رات کا سارا حُسن بانسری کی اس جادوئی دُھن میں سمٹ آیا ہو۔ اب بانسری کی رس بھری گونج آہستہ آہستہ کم ہونے لگی تھی۔ اور پھر اچانک کریمو نے بانسری اپنے ہونٹوں سے ہٹالی۔ سب لوگ جیسے کسی خواب سے جاگ اُٹھے دوسرے ہی لمحے سارا چوپال "شاباش، واہ وا" کے نعروں سے گونج اُٹھا۔

"واہ کریمو، دل خوش کردیا تو نے۔" مولوی صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"آج تو کریمو نے اپنے باپ کی یاد تازہ کردی۔ وہ بھی تو چاندنی راتوں میں اُداس دلوں کو اسی طرح بہلایا کرتا تھا۔" گاؤں کے سب سے بوڑھے شخص رحمت بابا نے کہا۔

یہ اور اسی طرح کے حوصلہ افزا جملے کریمو کے کانوں میں پڑتے رہے اور وہ مسکرا مسکرا کر سب کا شکریہ ادا کرتا رہا۔

کریمو ایک غریب لڑکا تھا۔ اُس کا باپ ایک گڈریا تھا۔ ایک روز بھیڑ بکریاں چراتے ہوئے وہ پہاڑ پر سے گر کر مر گیا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد اس کی ماں بھی اُسے اکیلا چھوڑ گئی۔ اُس وقت کریمو کی عمر مشکل سے دس سال ہوگی، مگر اُس نے اتنا کم عمر ہونے کے باوجود حوصلے اور ہمّت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اپنے باپ کا چھوڑا ہوا کام سنبھال کر گزر بسر کرنے لگا۔

صبح سویرے جب سب لوگ محوِ خواب ہوتے کریمو بھیڑ بکریاں لے کر نکل جاتا اور جب سورج پہاڑوں کی اوٹ میں اُترنے لگتا وہ گھر کا رُخ کرتا۔

کبھی کبھی کریمو کو اپنے ماں باپ بہت یاد آتے وہ انھیں یاد کرکے رونے لگتا اور برگد کے بوڑھے پیڑ تلے بیٹھ کر اپنی کمر سے بندھی بانسری نکال کر لبوں سے لگا لیتا۔ یہ بانسری کریمو کو اُس کے باپ نے دی تھی اور اُسی نے اسے بجانا بھی سکھایا تھا۔ بوڑھے برگد کے پیڑ پر بیٹھے پرندوں اور قریبی پہاڑ کے دامن میں بہتی ندی کا شور اُس کی بانسری کو اور بھی اثرانگیز بنا دیتے تھے۔ جب وہ بانسری بجاتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اُس کے ماں اور بابا اُس کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہوں۔ ماں محبّت سے اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیر کر اُسے لوریاں دے رہی ہو اور بابا اُسے محبّت پاش نگاہوں سے دیکھ رہا ہو۔

یوں تو سارا گاؤں ہی اُس کی ہمّت، حوصلے اور صلاحیتوں کو مانتا تھا مگر گاؤں کے زمیں دار کا بیٹا شریف اُس کا سب سے گہرا دوست تھا۔ اُن دونوں کی دوستی پورے گاؤں میں مشہور تھا۔

مگر شریف کے بڑا بھائی ہاشم کی عادت بالکل مختلف تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگ صرف اُسی کی تعریف کریں، صرف اُسی کے گن گائیں اور اُسی کو نیک جانیں، مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ طاقت کے بل پر کسی کے دل میں جگہ نہیں بنائی جاسکتی بلکہ اس کے لیے نیک عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کریمو کو تنگ کرنے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بناتا تاکہ وہ یہ گاؤں چھوڑ کر چلا جائے مگر ہر بار اُسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا۔

ایک روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ گہری سیاہ گھٹائیں چیخ چیخ کر اس بات کا اعلان کر رہی تھیں کہ آج بڑے زور کا مینھ برسے گا۔ سب لوگ جلد اپنے گھروں کو جانا چاہتے تھے۔ کریمو نے بھی اپنے ریوڑ کو گھر کی طرف ہانکنا شروع کیا مگر وہ یہ جان کر بڑا پریشان ہوا کہ بکری کا ایک چھوٹا بچّہ گم ہو گیا ہے۔ بکری کا چھوٹا سا سفید اور نرم بالوں والا یہ خوب صورت بچّہ کریمو کو بہت عزیز تھا۔ پہلے تو اُس نے بکری کے بچّے کو بہت تلاش کیا مگر جب بارش کے موٹے موٹے قطرے گرنے شروع ہوئے تو مجبوراً اُسے گھر کا رُخ کرنا پڑا۔

دراصل بکری کے بچّے کو ہاشم نے چرایا تھا۔ وہ کریمو کو تنگ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس تصوّر سے دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اب کریمو کو پتا چلے گا کہ اس ریوڑ میں سے اس کا 'پیارا'

بکری کا بچّہ غائب ہے تو وہ کس قدر پریشان ہو گا۔ بارش بہت تیز ہو چکی تھی۔ وہ بکری کا بچّہ اپنے ہاتھوں میں اُٹھائے خوشی خوشی گھر میں داخل ہو گیا۔ اُس کی ساری خوشی ہوا ہو گئی۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا چھوٹا بھائی شریف چارپائی پر بے ہوش پڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ بارش میں زیادہ کھیلنے کی وجہ سے وہ بیمار ہو گیا ہے۔ گاؤں کے حکیم نے ڈاکٹر کے پاس شہر لے جانے کا مشورہ دیا ہے، مگر شہر کو جانے والے تمام راستے برسات کی وجہ سے پہلے ہی بند ہو چکے تھے۔ تمام لوگ سخت پریشان تھے۔ شریف کی حالت بگڑتی چلی جا رہی تھی۔

کریمو کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اُسے بہت دُکھ ہوا۔ بانسری کمر سے باندھ کر وہ زمیں دار کی حویلی کی طرف چل دیا۔ حویلی کا بڑا کمرا گاؤں کے لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ چارپائی پر اس کا عزیز دوست بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا۔ زمیں دار اور اس کا بیٹا ہاشم اُس کے سرہانے غم سے نڈھال سر جھکائے بیٹھے تھے۔

کریمو نے اپنی کمر سے بندھی بانسری نکال کر اپنے ہونٹوں سے لگا لی۔ فضا میں ہلکا ہلکا ارتعاش پھیلنے لگا۔ بانسری کی جادوئی دُھن آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔ اس دُھن میں محبّت اور خلوص کی چاشنی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ بانسری کی رسیلی دُھن کے تیز ہونے کے ساتھ ہی شریف کے بے ہوش جسم میں زندگی جاگنے لگی۔ گاؤں کے لوگوں کے ساتھ ساتھ زمیں دار اور ہاشم کے چہرے بھی حیرت اور خوشی سے کھل اُٹھے۔ شریف کے سارے جسم میں زندگی کی حرارت دوڑنے لگی تھی۔ ہاشم کی آنکھوں میں شرمندگی کے آنسو تھے۔ وہ آگے بڑھا اور کریمو سے بولا:

"مجھے معاف کر دو کریمو۔ تم بہت عظیم ہو۔"

کریمو نے ہاشم کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہاشم، کوئی انسان ذلیل نہیں ہوتا۔ یہ تو انسانوں کے کام ہوتے ہیں جو اُسے اچھا اور بُرا بناتے ہیں۔" پھر کریمو نے گاؤں کے لوگوں کی طرف مڑ کر کہا:

"آپ سب لوگ یقیناً حیران ہوں گے کہ میری بانسری کی دُھن میں یہ کیسا جادو ہے کہ جس نے موت کے منھ میں جاتے ہوئے شریف کو بچا لیا۔ یہ جادو محبّت کا جادو ہے۔ حقیقی محبت اور سچّا خلوص ایسا علاج ہے جو دنیا کے سب علاجوں سے زیادہ پُر اثر ہوتا ہے۔ میری بانسری "محبّت کی بانسری" ہے۔"

گاؤں کے سب لوگوں کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ یہ آنسو محبّت، پیار، مسرت اور

شادمانی کے آنسو تھے۔

عقل مند لڑکی

عشرت شوکت، کراچی

کسی گاؤں میں ایک بوڑھا، اس کی بیوی اور ایک بیٹی رہتے تھے۔ بوڑھے کی بیٹی کا نام زمرّد تھا۔ زمرّد نہایت عقل مند اور ہوشیار لڑکی تھی۔ بوڑھا بہت ہی غریب تھا۔ گھر کا خرچ چلانے کے لیے وہ دوپٹے بیچتا تھا جو کبھی دو کبھی تین روز بِک جاتے تو انھیں ایک دن کی روٹی نصیب ہو جاتی۔ ایسا بھی ہوتا کہ کبھی ایک بھی نہ بکتا تو انھیں فاقہ بھی کرنا پڑتا۔ اس بات سے بوڑھا اکثر پریشان رہتا تھا۔

زمرّد نے ایک دن اپنے بوڑھے باپ کو پریشان دیکھ کر کہا، "بابا! آج آپ دوپٹے بیچنے جائیں تو واپسی میں بازار سے مجھے تھوڑا سا ریشم لا دیجیے۔"

بوڑھا چلا گیا اور واپسی پر ریشم زمرد کے لیے لے آیا۔ زمرد نے اس ریشم سے دوپٹوں پر خوب صورت پھول کاڑھنے شروع کر دیے۔ دن بھر میں اس نے دو تین دوپٹے تیار کر لیے۔ ان کی خوب صورتی اور سج دھج دیکھ کر تو زمرد کا باپ حیران رہ گیا۔ وہ بہت خوش ہوا اور ان دوپٹوں کو بیچنے کے لیے لے گیا۔ وہ دوپٹے اس قدر خوب صورت تھے کہ ہاتھوں ہاتھ بک گئے اور لوگوں نے اس سے فرمائش کی کہ اس طرح کے کڑھے ہوئے دوپٹے اور لاؤ۔ بوڑھے کو ہر دوپٹے کی دُگنی قیمت ملی۔ بیٹی کی عقل مندی اور ہُنر سے غریب بوڑھے کے دن پھر گئے اور وہ خوش حال زندگی بسر کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ جو محنت کرتا ہے وہ پھل ضرور پاتا ہے اور یہ بات بالکل سچ ہے۔

فریاد

آصف جاوید سکندر، کراچی

مجھے ایک بوری میں ڈال کر اس کا منھ بند کر دیا گیا۔ میں بہت چیخی چلائی مگر میری مدد کو کوئی نہ آیا۔ مجھے بوری میں بند کرنے والے کوئی اور لوگ نہیں تھے بلکہ یہ وہ تھے جن کے ساتھ میں گزشتہ دو سال سے رہ رہی تھی۔ یہ لوگ پہلے میرے ساتھ بہت محبت سے پیش آیا کرتے تھے، مگر آج پتا نہیں انھیں کیا ہو گیا تھا۔

اس کے بعد انھوں نے اس بوری کو سائکل کے پیچھے باندھ دیا اور مجھے نامعلوم جگہ لے گئے۔ سفر کے دوران میرے جسم کا ہر حصّہ دکھ رہا تھا۔ شاید وہ مجھے کہیں دُور پھینکنے جا رہے تھے تا کہ میں دوبارہ اُن کے گھر نہ جا سکوں۔

میری فریاد سُننے والا کوئی نہیں، یہاں تک کہ اس ملک کا قانون بھی اِن ظالموں کو اس ظلم سے روکنے کے معاملے میں بے بس تھا۔

میں ان ہی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک ایک زور دار جھٹکا لگا اور میری کمر میں درد کی ایک لہر دوڑ گئی اور میرے منھ سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی۔ اب سڑک بہت ناہموار ہو گئی تھی اور جھٹکوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

ایسے میں مجھے اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچّے یاد آ گئے۔ یہ وقت اُن دونوں کے دودھ پینے کا تھا۔ بچّوں کے یاد آتے ہی میرے سینے میں درد کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ سائکل رُک گئی ہے اور اب وہ لوگ مجھے کھول رہے ہیں۔ جونہی تھیلی کا منھ کھُلا میں تیزی سے باہر نکلی۔ اسی وقت مجھے پتا چلا کہ میرا ایک پاؤں شدید زخمی ہے۔ مجبوراً تین ٹانگوں کی مدد سے بھاگنا پڑا۔

بھاگتے بھاگتے ایک سایہ دار درخت دیکھا تو میں رُک گئی اور اپنی ٹانگ کو غور سے دیکھا اُس پر خون جما ہوا تھا۔ میں نے جمے ہوئے خون کو زبان سے چاٹا۔ جب میرا لعاب زخم کو لگا تو تکلیف میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔ پھر میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئی۔

میں سوچ رہی تھی کہ آج کے اس دردناک واقعے میں کچھ نہ کچھ قصور میرا بھی ہے۔ بھئی دیکھیے نا، ان لوگوں نے مجھے اپنے گھر میں اس لیے رکھا تھا کہ میں چوہوں کا خاتمہ کروں۔ میں نے اپنا فرض بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ روزانہ چار پانچ موٹے موٹے چوہے پکڑ کر کھا لیا کرتی تھی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ چوہوں سے پتا نہیں کیوں مجھے نفرت سی ہو گئی۔ چوہوں کو دیکھتے ہی مجھے اُلٹیاں سی ہونے لگتیں۔ اب میں اپنی بھوک مٹانے کے لیے اُن لوگوں کے بچے کھچے کھانے کا سہارا لینے لگی۔ جب مجھے اللہ نے دو پیارے پیارے بچّے دیے تو میرے ساتھ ساتھ وہ سب لوگ بھی بہت خوش تھے۔ اُن لوگوں نے میرے بچّوں کو بہت پیار دیا۔ بچّوں کی آمد کے ساتھ ہی اُن لوگوں نے مجھے ایک پیالہ دودھ بھی صبح و شام دینا شروع کر دیا۔ یہ دودھ میں بھی پیتی تھی اور میرے بچّے بھی۔ اس کے بعد میں نے چوہوں کی طرف دیکھنا چھوڑ دیا۔ وہ میرے سامنے کھیلتے رہتے اور میں انھیں کچھ نہ کہتی۔ چوہوں سے میری بے نیازی اُن

لوگوں کو اچھی تو نہیں لگتی تھی مگر انھوں نے مجھے کبھی کوئی سزا نہیں دی۔ لیکن جب میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آج اکٹھے دو تین چوزوں پر ہاتھ صاف کیا تو اُن لوگوں کے تیور بدل گئے۔ اس کے بعد اُن لوگوں نے میرا جو حشر کیا میں بتا نہیں سکتی۔ ذرا بھی تو لحاظ نہیں کیا انھوں نے۔

میں سوچ رہی ہوں کہ کاش مجھے اللہ قوّتِ گویائی دے دے تو میں ان لوگوں کے پاس جا کر کہوں:

"اے میرے محسنو! آپ لوگوں نے مجھے سزا دی.... اِس لیے کہ میں اپنے مقصد سے ہٹ گئی تھی۔ میں آپ سے کوئی گلہ نہیں کرتی۔ آپ نے جو کچھ کیا، اچھا کیا۔ آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا.... مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ آپ لوگ بھی تو اُس مقصد سے ہٹ گئے ہیں جس کے لیے آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا۔ تو کیا آپ سزا پانے کے لیے تیار ہیں؟"

حیرت انگیز مچھلیاں

ماہین عارف، کراچی

مچھلیوں کی دنیا میں یوں تو بے شمار قسمیں پائی جاتی ہیں جن میں سے بہت سی انفرادی صلاحیتوں کی مالک ہوتی ہیں، لیکن بعض مچھلیاں بہت زیادہ حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً مچھلی کی ایک قسم ایسی ہے جو اندھی ہوتی ہے لیکن وہ عام مچھلیوں کی طرح بڑے مزے سے تیرتی ہے۔ اور اپنی غذا حاصل کرتی ہے۔ ایک ایسی قسم کی مچھلی ہے جس کی دُم نہیں ہوتی۔ حال آنکہ مچھلی کے تیرنے کے لیے دُم کافی اہمیت رکھتی ہے۔ ایک مچھلی کی چار آنکھیں بھی ہوتی ہیں، جو پانی کی سطح سے چھے فیٹ اوپر اُڑتے ہوئے کیڑے مکوڑوں وغیرہ کو اُچھل کر منھ میں دبوچ لیتی ہے۔ کیلے فورنیا میں ایک ایسی مچھلی پائی جاتی ہے جس کا رنگ سنہرا اور سر پر ایک پودا سا اُگا ہوتا ہے۔ خار دار مچھلی کے جسم سے سبز رنگ کی شعاعیں نکلتی ہیں۔

مچھلیوں کا درخت پر چڑھ جانا لطیفے کے طور پر مشہور ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی ہے کہ مشرقِ بعید، آسٹریلیا اور سری لنکا میں اس قسم کی مچھلیاں بھی پائی جاتی ہیں جو درخت پر چڑھ جاتی ہیں۔ ان کی چھاتی چوڑی اور پَر مضبوط ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ پرچ نامی مچھلی بھی کیلے کے درخت پر چھے سات فیٹ تک چڑھ جاتی ہے۔

تار پیڈو مچھلی، ڑے مچھلی اور سکیٹ مچھلیاں کرنٹ مارتی ہیں۔ ایک بڑی کرنٹ مارنے والی مچھلی تھوڑی سی دیر کے لیے سیکڑوں وولٹ بجلی تیار کر سکتی ہے جو ایک آدمی کو مارنے کے لیے کافی ہے۔ یہ مچھلی بام مچھلی کی طرح ہوتی ہے۔ کرنٹ مارنے والی مچھلیوں کی دُم کے قریب منفی سرا اور سر کے قریب مثبت سرا ہوتا ہے۔ سائنس دانوں نے ایک کرنٹ مارنے والی مچھلی کو ایک بڑے برتن میں بند کر کے جب بجلی کے ایک لیمپ کو اس کے سر اور دُم سے جوڑا تو وہ جل اُٹھا۔ اندازہ ہے کہ ایک درمیانے سائز کی مچھلی، بجلی والی تقریباً ۲۵۰ وولٹ تیار کر لیتی ہے۔ کرنٹ مارنے والی مچھلیاں بجلی کے جھٹکے سے اپنے شکار کو بے ہوش کر دیتی ہیں۔ سب سے زیادہ طاقت ور کرنٹ پیدا کرنے والی مچھلی "الیکٹرک ایل" ہے جو برازیل، وینے زوئیلا، پیرو اور کولمبیا کے دریاؤں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ مچھلیاں ۴۰۰ اور ۶۰۰ وولٹ سے بھی زیادہ بجلی پیدا کرتی ہیں۔ کرنٹ مارنے والی مچھلیاں افریقہ، جنوبی امریکا کے دریاؤں اور منطقہ حارہ کے سمندروں میں پائی جاتی ہیں۔ ایک قسم کی مچھلی جسے "ستارہ مچھلی" کہتے ہیں شکل و صورت میں عام مچھلیوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اس کے پانچ بازو ستارے کی شکل کے نکلے ہوتے ہیں۔ یہ مچھلی صدف کی بے حد دشمن ہوتی ہے۔ اگر اس مچھلی کا ایک بازو ضائع ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرا بازو نکل آتا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ کہ کٹے ہوئے بازو سے اس کا پورا جسم دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی مچھلی اس مچھلی کے کئی ٹکڑے کر دے تو ہر ٹکڑے سے ایک نئی مچھلی پیدا ہو جاتی ہے۔

کراچی کے کلفٹن کے مچھلی گھر میں بھی آپ دنیا کی طرح طرح کی مچھلیاں دیکھ سکتے ہیں۔ مچھلیوں کی بعض اقسام کی ان صلاحیتوں اور خوب صورتی کو دیکھ کر انسان اللہ تعالیٰ کی صناعی اور عظمت و شان پر اَش اَش کر اُٹھتا ہے۔

بہادر اشرف

عمران بیگ، کراچی

بہت دنوں کی بات ہے۔ ایک گاؤں میں ایک بوڑھا کسان رہتا تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو بہت نیک اور بہادر تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ بوڑھے کی تھوڑی سی زمین تھی جس پر وہ کھیتی باڑی کر کے گزر بسر کرتا تھا۔

گاؤں کے لوگ زیادہ تر کسان ہی تھے

اور کھیتی باڑی کرتے تھے۔ بوڑھے کسان مولا بخش کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے اشرف کو اعلا تعلیم دلوائے اور وہ پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بن جائے۔ اشرف کو بھی پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ پہلے وہ گاؤں کے مدرسے میں تعلیم حاصل کرتا رہا پھر آگے پڑھنے کے لیے شہر چلا گیا۔ شہر میں اس کے ایک رشتے دار رہتے تھے۔ وہ ان کے پاس رہنے لگا۔

اس طرح کئی سال گزر گئے اور وہ شہر میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ہر سال چھٹیوں پر اپنے گھر آتا اور چھٹیاں گزار کر دوبارہ شہر چلا جاتا۔ ایک سال جب وہ چھٹیوں پر گاؤں آیا تو اس نے دیکھا کہ سارا گاؤں اُداس اور پریشان ہے۔ اس کا بابا مولا بخش بھی بہت فکر مند تھا۔

اشرف نے اپنے باپ سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو وہ ٹال گیا۔ آخر اشرف کے کافی اصرار اور ضد کرنے پر اس نے بتایا، "بیٹا، گاؤں کے اس طرف جہاں سب کسانوں کی زمینیں ہیں کچھ جنوں اور بھوتوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ وہاں سے راتوں کو عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں۔ ہمارے کھیت تباہ کر دیے گئے ہیں۔ وہاں جو بھی جاتا ہے جان دار جاتا ہے صبح مُردہ ملتا ہے۔ سب پریشان ہیں کہ کیا کریں۔"

اشرف نے کہا، "بابا، آپ فکر نہ کریں اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

رات ہوئی تو اچانک گاؤں میں ایک عجیب سی ڈراؤنی آواز گونجی۔ لگ رہا تھا کوئی رو رہا ہے۔ پھر ایک بھرّائی ہوئی آواز آئی، "بھاگ جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ جلدی کرو۔" اشرف نے مکان کی کھڑکی میں سے جھانکا۔ مگر اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بابا نے اس سے کہا کہ وہاں سے ہٹ جاؤ۔ وہ کھڑکی بند کر کے اپنے بستر پر آ گیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اتنی دور سے کسی کے رونے اور چیخنے کی آواز یہاں تک کس طرح آ گئی۔ ضرور اس میں کوئی راز ہے۔

جب سب سو گئے تو وہ اُٹھا اور زمینوں کی طرف چلا۔ چاند نکلا ہوا تھا اس لیے اُسے چلنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اچانک اس نے ایک سایہ دیکھا۔ وہ ایک درخت پر سے اُتر رہا تھا۔ اشرف ایک درخت کی اوٹ میں چُھپ گیا۔ اس سائے کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ اشرف اس کے پیچھے چل دیا۔

سایہ ایک پہاڑی کے پیچھے ایک غار میں جا کر غائب ہو گیا۔ اشرف غار کے قریب چلا گیا۔ اندر سے ایک آواز آئی:

"کمال آ گئے! کیا وہ اُتار لائے؟"

"ہاں باس۔" کمال نے کہا۔

پھر وہی آواز آئی، "لیکن یہ لوگ ابھی تک بھاگے کیوں نہیں؟"

"بس باس ایک دو دن کی بات اور ہے۔ پھر سب بھاگ جائیں گے۔" کمال نے کہا۔

"اچھا پھر کل دوبارہ یہی کارروائی کرنا۔ اب چلو۔"

دو سائے اندر سے نکلے اور ایک طرف چلنے لگے۔ اشرف خاموشی سے اپنے گھر آ گیا۔

دوسری صبح وہ سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچا اور انسپکٹر کو ساری کہانی سُنائی۔ اسی رات پولیس نے اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور جب رات کو وہ دونوں پُراسرار آدمی آئے تو انھیں گرفتار کر لیا۔ انسپکٹر نے ان سے ان پُراسرار حرکتوں کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ اس جگہ سے تیل نکلنے کے آثار ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ یہاں سے بھاگ جائیں، کیوں کہ ان لوگوں نے یہ جگہ بیچنے سے انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے یہ حل سوچا تھا کہ انھیں بھوتوں اور آسیب سے ڈرا کر یہ علاقہ چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔ وہ ہر رات یہاں آکر ایک درخت پر لاؤڈ اسپیکر فٹ کرتے اور پھر طرح طرح کی ڈراؤنی آوازیں نکالتے تھے۔ ان کی ان حرکتوں سے گاؤں والے ڈر گئے تھے اور گاؤں چھوڑ کر بھاگنے کی سوچ رہے تھے کہ اشرف نے ان کا کھیل بگاڑ دیا۔

جب گاؤں والوں کو ساری حقیقت کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اشرف کو خوب شاباشی دی جس کی وجہ سے انھیں ان جعلی بھوتوں اور جنوں سے نجات ملی تھی۔ اب ان کا گاؤں بہت خوش حال ہو گیا تھا، کیوں کہ ان کی زمینوں سے تیل جو نکل آیا تھا۔

ایک انٹرویو

دلاور علی خاں، لطیف آباد

س: آپ کا پورا سرکاری نام کیا ہے؟
ج : میرا پورا نام عوامی جمہوریۂ چین ہے۔
س : آپ کس محلّے (برِاعظم) میں رہتے ہیں؟
ج : ہمارے محلّے کا نام ایشیا ہے۔
س : آپ کا گھر کل کتنے رقبے پر پھیلا ہوا ہے؟
ج : میرے گھر کا کل رقبہ ۳۶،۹۱،۵۰۲ مربع میل ہے۔
س : آپ کے اِرد گرد کون سے گھر (ملک)

واقع ہیں؟

ج : میرے گھر کے مغرب کی طرف ہندُستان، برما، تائیوان اور ہانگ کانگ ہیں۔ مشرق میں سوویت یونین اور منگولیا۔ شمال میں جنوبی کوریا اور جنوب میں پاکستان اور افغانستان ہیں۔

س: آپ کے گھر میں کون سی (سرکاری) زبان بولی جاتی ہے؟ آپ کے گھر میں کون سی کرنسی چلتی ہے؟

ج : میرے گھر کی (سرکاری) زبان "چینی" ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں کہ ہمارے گھر کی زبان (چینی) میں حروفِ تہجّی کی کوئی تعداد نہیں ہے۔ میرے گھر میں "یو آن" نامی کرنسی چلتی ہے۔

س: اب آپ اپنی اہم اولادوں (شہروں) کے بارے میں بھی کچھ بتائیے؟

ج : ویسے تو میری بہت سی اولادیں (شہر) ہیں لیکن میں آپ کو پھر بھی اہم اولادوں کے نام بتادوں۔ میرے سب سے بڑے بیٹے (دارالحکومت) کا نام بیجنگ ہے۔ اس کے بعد شنگھائی پھر کنیٹن، دوہان، مکڈن، سیان اور مربن وغیرہ ہیں۔

س: آپ اپنے بڑے بیٹے (دارالحکومت) کے متعلق بتانا پسند کریں گے؟

ج : بیجنگ میرا سب سے بڑا بیٹا (دارالحکومت) ہے۔ پہلے اس کا نام پیکنگ تھا۔ ایک قدیم تاریخی شہر ہونے کی وجہ سے یہاں بہت سی قدیم عمارتیں، شاہی محلات اور باغات ہیں۔ انقلابِ چین کی یادگار کے طور پر بیجنگ کے مرکز میں ایک ہال بنایا گیا ہے جس کا نام "۶ مئی ہال" ہے۔ بیجنگ صنعتی اور تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے فولاد، مشینوں، چینی کے برتن، میناکاری اور کشیدہ کاری کا ایک اہم مرکز ہے۔ بیجنگ کی لائبریری اور میوزیم دیکھنے کے قابل ہیں۔ بیجنگ میں بہت سے تعلیمی اداروں کے علاوہ تین یونی ورسٹیاں بھی ہیں۔ یہاں کے چڑیا گھر میں جانوروں کی بھرمار ہے۔ چرند پرند کی مجموعی تعداد تقریباً چار ہزار کے قریب ہے۔

س: بھئی آپ نے تو بڑا جامع تعارف کرایا اپنے بڑے بیٹے (بیجنگ) کا۔ اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کا قومی پھول کون سا پھول ہے؟

ج : ہمارا قومی پھول نرگس کا پھول ہے۔

س: آپ اپنی اہم زرعی اجناس کے بارے میں بتانا پسند کریں گے؟

ج : ہماری اہم زرعی اجناس میں گندم، کپاس، چائے اور چاول ہیں۔ میں آپ کو یہاں ایک اور بات بتا تا چلوں کہ میں ساری دنیا میں سب سے زیادہ چاول پیدا کرتا ہوں۔

س: آپ کے گھر میں کُل کتنے فی صد افراد مسلمان ہیں؟
ج: میرے گھر میں تقریباً گیارہ فی صد افراد مسلمان ہیں۔
اچھا چین صاحب! اتنا اچھا اور جامع انٹرویو دینے پر ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

سیال کوٹ

خرم اقبال ، سیال کوٹ

سیال کوٹ یعنی شہرِ اقبال سے کون واقف نہیں۔ یہ شہر آج سے پانچ ہزار برس پہلے راجا سل نے آباد کیا۔ اس وقت اس کا نام سلکوٹ رکھا گیا لیکن آج یہ نام بگڑ کر سیال کوٹ بن گیا۔

ضلع سیال کوٹ میں پانچ تحصیلیں ہیں۔ تحصیل سیال کوٹ، تحصیل شکر گڑھ، تحصیل ڈسکہ، تحصیل نارووال اور تحصیل پسرور۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں جب پاکستان کی تحریک چلی تو سیال کوٹ کے مسلمانوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ تصوّرِ پاکستان علّامہ اقبال نے پیش کیا تھا جو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے، اسی لیے سیال کوٹ کو شہرِ اقبال بھی کہا جاتا ہے۔

یہاں کی تاریخی یادگاروں میں اقبال مینشن اور سیال کوٹ کا قلعہ ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ سے پہلے تک اس قلعے کا جاہ و جلال قائم تھا لیکن جنگ میں بمباری کے دوران قلعے کو کافی نقصان پہنچا۔ اب اس میں بہت سے دفاتر قائم کردیے گئے ہیں۔

سیال کوٹ جغرافیائی طور پر بہت سے محلّوں میں بٹا ہوا ہے۔ ان محلّوں میں ماڈل ٹاؤن، مبارک پورہ، فیروز پورہ، رنگ پورہ، ینکا پورہ، کوٹلی بہرام اور محمد پورہ قابلِ ذکر ہیں۔

سیال کوٹ میں بارش بہت ہوتی ہے۔ کوہ مری کے بعد پاکستان میں سب سے زیادہ بارش یہیں ہوتی ہے۔

سیال کوٹ پاکستان کا ایک اہم تجارتی مرکز ہے۔ یہاں کے بازاروں میں بانو بازار (جسے بڑا بازار بھی کہتے ہیں) جندر بازار، تحصیل بازار اور اردو بازار مشہور ہیں۔ ان بازاروں میں اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی۔

سیال کوٹ شہر کا مرکز "علامہ اقبال چوک" ہے۔ اس کو ڈرماں والا چوک" بھی کہتے ہیں۔ اس چوک میں ایک بلند سنگِ مرمر کے مینار پر شاہین کا مجسمہ لگا ہوا ہے۔ سر سے لے کر دُم تک یہ مجسمہ ۷ فیٹ لمبا ہے۔ اس کا ایک ایک

پیر ۶ فیٹ کا ہے۔ مینار کے گرد روشنی کا بڑا اعلا انتظام ہے۔ اس چوک کے گرد شہر کی مشہور دُکانیں ہیں۔

یہاں کی مشہور صنعتوں میں آلاتِ جراحی اور کھیلوں کا سامان شامل ہے۔ سیال کوٹ میں ہزاروں کارخانے ہیں جن میں ٹرنک، کٹلری کا سامان اور لوہے کی مصنوعات بنتی ہیں۔

اگر آپ سیال کوٹ آنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ ریل کا ہے اور دوسرا سڑک کا۔

آپ جب بھی سیال کوٹ کے کسی قریبی شہر آئیں تو شہرِ اقبال ضرور ہو کر جائیے گا۔

صحّت مند جسم۔ دماغ

گولڈی تھامس، لاہور

عبید ایک ہونہار بچّہ تھا۔ وہ سب کا کہنا مانتا تھا، لیکن اس میں ایک خرابی تھی۔ وہ کسی کھیل وغیرہ میں حصّہ نہیں لیتا تھا۔ اس وجہ سے اس کی صحت بھی بہت خراب ہو گئی تھی۔ ایک دن عبید اسکول سے کچھ مایوس سا واپس آیا۔ اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہ کھایا۔ شام کو ابّو نے اس کی اُداسی کی وجہ پوچھی تو عبید نے بتایا، "ابّو! اس دفعہ ہمارے اسکول کا بہترین طالبِ علم اُسے قرار دیا جائے گا جو اسکول کے سالانہ کھیلوں میں بہترین ہو گا۔ مجھے تو کوئی کھیل نہیں آتا۔"

"بھئی، اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟ تم آج سے روزانہ کھیلنا شروع کر دو۔ اس طرح تم بھی اچھے کھلاڑی بن سکتے ہو۔"

"لیکن ابّو! مجھے تو بلّا تک پکڑنا نہیں آتا۔"

"ہر چیز سیکھنے سے آتی ہے۔" ابّو نے عبید کے سَر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ابّو میرے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ پڑھائی کے علاوہ کھیل کو اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ کیا کھیل سے ہماری پڑھائی پر اثر نہیں پڑے گا؟"

"نہیں بیٹا! تمھارے استاد اس بات کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں۔ انھوں نے پڑھائی کے علاوہ دوسرے مقابلے اور امتحانات سوچ سمجھ کر رکھے ہیں۔ شاید تم نے سُن رکھا ہو کہ ایک صحت مند جسم ہی میں صحت مند دماغ ہوتا ہے۔"

"جی ابّو! اب میں پڑھائی کے علاوہ کھیل میں بھی نام پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔" عبید نے خوش ہو کر کہا۔

ساتھیو! آپ بھی پڑھائی کے علاوہ کوئی کھیل کھیلیں۔ لیکن آپ کی پڑھائی جاری رہنی چاہیے۔ کھیل کے وقت کھیل اور پڑھائی کے وقت پڑھائی۔

صدیوں کی آزمودہ اور چنیدہ نباتات کے نہایت موثر، کافی وشافی اجزا حاصل کرنا کمالِ فن ہے، دواسازی کی عظمت ہے۔ ہمدرد میں ماہرینِ فن اس عظمت اور خدمت میں ہمہ دم اور ہمہ جہت مصروف ہیں۔

ہمدرد کی فنّی محنت اور دوا سازی کی صلاحیت کا ایک مظہر ہے

جوشینَا

نزلہ و زکام ۔ جوشینَا سے آرام
کھانسی اور سینے کی جکڑن کا موثر علاج

ہمدرد

آداب اخلاق
خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

ADARTS JOS-1/88

آدھی ملاقات

● اس بار آزادی کی مناسبت سے کوئی خاص مضمون شمارے میں نہیں تھا۔ سہیل لالانی، سکھر

ہاں صرف ایک کہانی تھی مگر وہ مضمون کی طرح مفید تھی۔

● محترم حکیم محمد سعید صاحب کی تحریر "جاگو جگاؤ" کی تو بات ہی کیا ہے۔ کس طرح وہ اچھے اور متاثر کن انداز میں تحریر فرماتے ہیں۔ اگر ان کی تحریری نصیحتوں پر غور کریں اور عمل کریں تو دنیا سنور جائے۔ اس نونہال کے مصوّر جناب مشیر صدیقی صاحب بہت اچھی تصاویر بناتے ہیں اور اس دفعہ "قصہ چہار درویش" میں جو بلّی بنائی وہ تو بہت ہی اچھی ہے اور آپ سے التماس ہے کہ وہ تصویر کسی "نونہال" کے سرورق پر بنوائیے۔
نظم پارہ، شہداد پور

● خاص نمبر تو خاص تھا ہی، مگر اگست کے شمارے نے تہلکا مچادیا۔ سلطان محمود کوریجہ، رحیم یار خاں

● نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے، میں ہر مہینے اسے باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ سید فضل ودود حسین، شاہ سیّدی

● نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ طٰہٰ علی، کراچی

● خاص نمبر کے ساتھ جو آپ نے تحفہ دیا بہت پسند آیا۔
سلیم شاہ، ملیر کالونی کراچی

● سچّی خوشی اور سارہ کی دنیا بہت اچھی کہانیاں تھیں۔
فرید عالم چنّا، ٹھٹھہ

● اگست کا نونہال بہت پسند آیا۔ اس میں کہانی "جاپانی گڑیا" اور "جشنِ آزادی" اچھی تھیں۔ منیر حسین آصف، سرگودھا

● جاپانی گڑیا (میرزا ادیب) اور سچّی خوشی (نظم پارہ نظمی) پسند آئیں۔ لطیفے بس اچھے تھے۔ رخسانہ سراج، پشاور

● گل دستہ، دانہ دانہ اور نونہال ادیب بہت پسند آیا۔
نوید حمید، کراچی

● چہار جانور کہانی بہت اچھی تھی۔ محمد قاسم کلوئی، خیر محمد کلوئی اور خمیسو بلوچ۔ ٹنڈو جان محمد

● اگست کا نونہال پڑھا۔ اتنا مزہ آیا کہ ڈیڑھ گھنٹے میں ختم کردیا۔ جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ جناب طالب ہاشمی نے "ہر حال میں صبر اور شکر" بہت اچھے انداز میں تحریر کیا۔ "جشنِ آزادی" اور "سارہ کی دنیا" بہت پسند آئیں۔ "مونٹی کرسٹو کا نواب" بہت بور ہے۔ لطیفے اس دفعہ کوئی خاص نہیں تھے۔ محمد عبدالعلیم، اسلام آباد

● نونہال میں کہانیاں بہت معیاری اور سبق آموز ہوتی ہیں، لیکن بعض کہانیاں بہت بور اور نقل شدہ ہوتی ہیں۔ آپ ایسی کہانیاں نہ چھاپا کریں، اس سے نونہال کا معیار بہت گر جاتا ہے۔ ظفر نعیم اور صائمہ نعیم، کراچی

● اب نونہال میں بچّوں کی کم اور بڑوں کی تحریریں زیادہ نظر آتی ہیں۔ آصف علی رانا، کراچی

● کیا ہم ایک ہی خط میں مختلف کالموں کے لیے تحریریں بھیج سکتے ہیں یا ہر کالم کے لیے علاحدہ خط ہو؟
سید مراد علی شاہ، بکیرا شریف

جی ہاں، ایک لفافے میں کئی تحریریں بھیجی جاسکتی ہیں، مگر تحریریں ذرا کم ہی بھیجیں تو اچھا ہے۔ ہمارے پاس پہلے ہی بہت تحریریں جمع ہیں۔

● "جاگو جگاؤ" اور "پہلی بات" تو رسالے کی جان ہیں۔
محمد شفیق، قصور

● پورا رسالہ ہی دل چسپ کہانیوں، رنگ برنگی نظموں اور نصیحت آموز تحریروں سے سجا ہوا تھا۔
محمد قدیم بیگ مغل، ٹنڈوجام

● میں اور بھی رسالے پڑھ چکی ہوں، لیکن جو مزہ ہمدرد نونہال پڑھ کر آیا کسی اور میں نہیں آیا۔ خاص کر محترم جناب حکیم محمد سعید صاحب کا مضمون جاگو جگاؤ تو مجھے بے حد پسند ہے۔ اگست کے شمارے کا سرورق تو گلاب کی طرح مسکرا رہا تھا۔ کہانیوں میں جاپانی گڑیا (میرزا ادیب)، جشنِ آزادی (مجیب ظفر انوار)، قصہ چہار جانور (منصور احمد) اور سلسلے وار کہانی "مونٹی کرسٹو کا نواب" (مسعود احمد برکاتی) بہت اچھی تھیں۔
رضوانہ انجم، اُوچ شریف

● تمام کہانیاں، لطائف اور تحریریں بہت ہی اچھی تھیں۔
شمشاد مسیح، کراچی

● سرورق انتہائی خوب صورت اور دل چسپ تھا۔ ساری کہانیاں اے وَن تھیں۔ "کھل کھلائیے" ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ہمیں کراچی کا پوسٹ کوڈ نہیں معلوم۔ آپ بتا دیجیے۔
شہلا عروج، کراچی

کراچی کے ہر علاقے کا پوسٹ کوڈ مختلف ہے۔ ناظم آباد کا پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰ ہے جو ہمدرد نونہال کے پتے کے ساتھ ہر ماہ لکھا جاتا ہے۔ آپ اپنے علاقے کا پوسٹ کوڈ اپنے ڈاکیے سے معلوم کر سکتی ہیں۔

● نونہال ادیب میں 'سیورو اور بام مچھلی' (ثمرین تاج) اور نسرالاتحفہ (عارف احمد صدیقی) نقل شدہ ہیں۔
جرا علی، ڈیرہ اسماعیل خاں اور غلام حسین میمن، حیدرآباد

اب یہی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں "عقل مندوں" (عارف احمد صدیقی اور ثمرین تاج) کی تحریریں آئندہ شائع نہ کی جائیں۔

● سرورق پر پیاری سی بچی کی تصویر دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ کہانیوں میں جاپانی گڑیا (میرزا ادیب) اور سچی خوشی پسند آئیں۔ جشنِ آزادی کی کہانی کوئی خاص نہیں لگی، بس ٹھیک تھی۔
شاہد شفیق، شمع شفیق، زاہد شفیق، اور اسمار شفیق، بفرزون کراچی

● سب سے پہلے میں آپ کو مبارک باد دوں گی، کیوں کہ اتنا اچھا رسالہ آپ نے نکالا۔ ارم بیلا علی زئی، ڈیرہ اسماعیل خاں

● نونہال ادیب میں کہانی 'پیار و محبت کے گیت' عارف انیس ملتان کی کہانی ٹی وی میں "صبح" کارٹون سے لی گئی تھی۔
عمر خطاب خاں، کراچی

● سرورق اچھا تھا۔ نور ذہاب، تلہار، سندھ

● ویسے لطیفے اور سچی خوشی بھی کچھ کم چٹ پٹے نہ تھے، مونٹی کرسٹو کا نواب خوب جا رہی ہے۔ محمد عظیم، لاہور

● اگست کا نونہال پہلی بار پڑھا۔ اس کا ہر ایک لفظ دل میں اتر گیا۔ نوید بشیر اور صائمہ بشیر، کراچی

● اگست کا نونہال تو اچھا تھا، لیکن اس میں کہانیاں زیادہ نہیں تھیں۔ عائشہ واسطی، راول پنڈی

● نونہال ادیب میں اپنی تحریر دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ نظم "ایک تصویر" سارے رسالے میں اے گریڈ تھی۔
محمد علی رحمانی، کراچی

● پیارا نونہال اپنی تمام خوب صورتی سمیٹے جلوہ افروز ہوا۔ سلمیٰ ثنا اللہ راجپوت، دولت پور صفن

● سارہ کی دنیا، بہت اچھی کہانی تھی۔ عصمت کلثوم، حیدرآباد

● ہر حال میں صبر اور شکر، جشنِ آزادی اور سچی خوشی بہت پسند آئیں۔ مونٹی کرسٹو کا نواب بہت اچھا جا رہا ہے۔
شازیہ سعید، احمد کاشف سعید، احمد شیراز سعید، کراچی

● میں نے اپنی سہیلیوں سے نونہال کی جتنی تعریف سُنی وہ سچ ثابت ہوئی۔ پڑھا تو بہت مزہ آیا۔ ثمیرا نواز، احمد پور شرقیہ

● میں 'آدھی ملاقات' میں پہلی بار شرکت کر رہا ہوں۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ اظہر اقبال، جلال پور جٹاں

● نونہال ادیب میں مجھے اپنی کہانی "زندگی کا مقصد" دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ریحان ظفر، کراچی

● خاص طور پر 'جاپانی گڑیا'، 'جشن آزادی' اور 'سارہ کی دنیا' بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ لطیفے بھی مزے دار تھے۔
جنا سلیم خان زادہ، کراچی

● 'جاپانی گڑیا' - میرزا ادیب کی یہ کہانی بہت ہی پسند آئی۔ نوشینہ محمود کی 'سارہ کی دنیا' بھی اچھی تھی۔ 'ارضِ وطن'، اور 'برکھارُت' بہترین نظمیں تھیں۔ لطائف بھی بہت اچھے تھے۔

محمد حسن رضا گوندل، منڈی بہاءالدین

● خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ دِل فریب اور سبق آموز تھا۔ یہ روشنی کی ایک ایسی کرن کی مانند تھا جو قطرہ قطرہ ہمارے دل و دماغ کو روشن کرتی گئی۔ توبیہ اظہر، کراچی

● سندباد جہازی کا حیرت انگیز سفرنامہ بالکل پسند نہیں آیا۔ سید جاوید، عنبرین فاطمہ

● اگست کا نونہال بہترین تھا۔ عُظمیٰ خان، کراچی

● میں نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ گل محمد، فرنٹیر کالونی

● جاگو جگاؤ پڑھ کر دل و دماغ جاگ گیا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ مجیب ظفر انوار کی 'جشنِ آزادی' بہترین تھی۔ نونہال ادیب میں بہترین کہانی "زندگی کا مقصد" تھی۔

فوزیہ نورین، کراچی

● نونہال ادیب میں کوئی مزہ نہیں تھا۔ دانہ دانہ میں تین دوست بہت زیادہ پسند آئے۔

سیدہ نورجہاں شاہ، لکیاری شہداد پور

● جاپانی گڑیا (میرزا ادیب)، سچی خوشی (نظم پارہ نظمی)، اور سڑک کہتی ہے (مسعود احمد برکاتی) اچھی لگیں۔ اب مونٹی کرسٹو کا نواب) بہت اچھی ہوتی جا رہی ہے۔ دِل شاد حسین طُور، جہلم

● جاپانی گڑیا، جشنِ آزادی، سچی، سارہ کی دنیا، مونٹی کرسٹو کا نواب، بہت پسند آئیں۔ زاہد عباس شکی، جلال پور شریف

● قصّہ چہار جانور، ہر حال میں صبر اور شکر، پہلی بات اور جاگو جگاؤ پسند آئے۔ نِدا شاہ رُخ، کراچی

● 'جب ہم پڑھتے تھے' (احمد ندیم قاسمی)، ہر حال میں صبر اور شکر (طالب ہاشمی) اور قصّہ چہار جانور (منصور احمد) بہت ہی اچھی کہانیاں تھیں۔ مونٹی کرسٹو کا نواب کا دوسرا ٹکڑا دِل چسپ تھا۔ مجھے شکایت ہے (مسعود احمد برکاتی) کافی پسند آئی۔

مختیار احمد انجم پروانہ، اُوچ شریف

● میں نے پہلی بار آپ کا رسالہ نونہال پڑھا۔ یقین کیجیے اب اور کوئی رسالہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اب ہر ماہ یہی چلے گا۔

مرزا سید نقاس و عمران خان، جلال پور

● اگست کا شمارہ میں نے پڑھا۔ بہت مزہ آیا۔ لطیفے اچھے تھے اور ایک دو کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ نبیل احمد خاں، دھابے جی

● جب ہم پڑھتے تھے (احمد ندیم قاسمی) پڑھنے میں بہت لُطف آیا۔ محمد اعجاز خان بابر زئی، جام شورو کوٹری

● اگست کا شمارہ بہت اچھا تھا اور سرورق بھی خوب صورت تھا۔ رشید امتیاز صدیقی، حیدر آباد

● لطیفوں کا معیار کچھ اچھا ہوا ہے۔ جاگو جگاؤ کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس میں ہمارے لیے سنہری اصول ہوتے ہیں، جن پر عمل کر کے ہم کام یاب انسان بن سکتے ہیں۔ جمیل انعام، کراچی

● سارہ کی دنیا، جاپانی گڑیا، سچی خوشی، مجرم کون، بہت زیادہ ہی پسند آئیں۔ مونٹی کرسٹو کا نواب کی پہلی اور دُوسری قسط پڑھی، مگر دونوں پسند نہیں آئیں۔

رفعت جہاں بنتِ محمد اکبر، کراچی

● آپ کا نونہال ایک سال سے پڑھ رہا ہوں۔ اس ماہ کا نونہال پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ نوید احمد، کراچی

● جناب حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ نے دِل جیت لیا۔ باقی سب کہانیاں اچھی تھیں۔ اُفشین رشید، لاہور

● جاپانی گڑیا، سارہ کی دُنیا اور مونٹی کرسٹو کا نواب اچھی تھیں۔ کیا نظم کے ساتھ اسکول کے پرنسپل کی تصدیق ضروری ہے؟

خالد عزیز، کراچی

یا تو آپ جس مشہور شاعر کی نظم بھیج رہے ہیں اس کا نام لکھ دیجیے یا اگر آپ اپنی نظم بھیج رہے ہیں تو پھر ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل صاحب کی تصدیق ضروری ہے۔

● اگست کا نونہال اپنی تمام تر خوبیوں اور دل چسپیوں کے ساتھ ملا۔ سرورق اچھا تھا۔ کہانیوں میں میرزا ادیب کی جاپانی گڑیا اور نوشینہ محمود کی "سارہ کی دُنیا" بہت پسند آئیں۔ باقی تمام سلسلے اچھے جا رہے ہیں۔ رابعہ انصاری، کراچی

● آدھی ملاقات میں ایک نونہال نے لکھا ہے کہ ہر مہینے ایک عنوان لکھ کر ساتھیوں سے کہیں کہ وہ اس عنوان پر تصویر بنائیں۔ جو ساتھی عنوان کے مطابق تصویر بنائے گا اسے نونہال میں شائع کر دیں۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں۔
محمد طاہر نقاش، جلال پور

● جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آزادی کی ٹھنڈی اور پُرسکون ہوا کو اپنے ساتھ لایا اور آزادی کی قدر سے واقف کیا۔ مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات نے اس بار علم کی روشنی سے آشنا کیا۔ گُل دستہ اس بار سیدھا راستہ دکھانے والی نصیحتوں سے بھرپور تھا۔ گلاب داس، بیلہ بلوچستان

● دانہ دانہ، کھل کھلائیے اور نظم لوری اچھی تھی۔
نسیم انور، ٹوبہ ٹیک سنگھ

● گُل دستہ ہمیں بہت ہی پسند ہے۔
محمد یوسف یونس اور محمد شاہد عابد، جھڈو

● کہانیاں ساری مزے دار تھیں۔ لطیفے سارے اچھے تھے۔ صراط النسا انصاری، کھوکھراپار

● جناب شاعر لکھنوی کی نظم "ایک تصویر" بہت اچھی تھی۔
اشرف علی، جام شورو

● اگست کے شمارے کی ہر کہانی انگوٹھی میں نگینے کی طرح چمک رہی ہے۔ عامر اقبال اللہ والا

● نظموں میں لوری (طاہر لاہوری) اچھی تھی۔
فراز خورشید، کراچی

● نونہال کو خوب صورت، بہترین اور دل چسپ بنانے پر شکریہ قبول کیجیے۔
محمد اختر مغل اور نبیل قادر بھٹی، اللہ آباد رحیم یار خاں

● تمام کہانیاں دل چسپ اور مزے دار تھیں۔ سرورق بھی بہت اچھا تھا۔ راجا راشد بشیر، کراچی

● کہانیاں بہت پسند آئیں، مگر لطیفے اچھے نہ تھے۔
چوہدری فرخ منہاس، چوہدری مہتاب منہاس، جڑانوالہ

● ہر کہانی لاجواب تھی۔ ناصر اقبال (اللہ والا)

● آدھی ملاقات میں اپنا نام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔
ساجد حسین بلوچ، اورنگ زیب بلوچ، ملیر سٹی، کراچی

● جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اس بار بھی نمبر لے گیا۔
صائمہ طارق، ہما طارق۔ عارف والا، ملتان

● جاگو جگاؤ، پہلی بات، گُل دستہ، دانہ دانہ، طالب ہاشمی کا ہر حال میں صبر اور شکر، نوشینہ محمود کی سارہ کی دنیا اور طاہر لاہوری کی نظم لوری بہت پسند آئی۔ نورالاسلام حبشی، کراچی

● نونہال میں ہر ماہ کی طرح اس مہینے بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ محمد اعجاز ریاض، اسٹیل ٹاؤن کراچی

● لطیفے مزے دار نہیں تھے۔ شیراز خورشید، کراچی

● سرورق کی تصویر اتنی پیاری تھی کہ بس کیا بتاؤں۔
عبدالعزیز لاسی، اوتھل

● میرا پورا نام "محمد نورالحق توگیروی" ہے جب کہ آپ نے صرف "محمد نورالحق" لکھا ہے۔ محمد نورالحق توگیروی، بہاول نگر

● اگست کا نونہال پڑھا۔ لیکن چوں کہ پہلے اتنا شان دار خاص نمبر پڑھا تھا، اس لیے یہ کچھ پھیکا پھیکا سا لگا۔ پڑھنے میں کچھ مزہ نہ آیا۔ ساجدہ سرور، کراچی

● جناب میرزا ادیب کی تحریر "جاپانی گڑیا" اور جناب منصور احمد کی "قصہ چہار جانور" اچھی کہانیاں تھیں۔ نظم "برکھا رُت" پسند آئی۔ ندیم احمد خان زادہ، سکرنڈ

● کہانیوں میں "جاپانی گڑیا" اور "سچی خوشی" بہت پسند آئیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ تہمینہ حیدر، اسلام آباد

● آزادی کی مناسبت سے جاگو جگاؤ بہت اچھا رہا۔ نونہال میں طب کی روشنی میں، دانہ دانہ، جاگو جگاؤ، سائنسی اخبار، بزمِ ہمدرد نونہال میرے پسندیدہ صفحات ہیں۔
حامدہ صدیقی، کراچی

● اگست کے نونہال کا خوب صورت اور دیدہ زیب سرورق دیکھتے ہی میں نے رسالہ خرید لیا۔ نونہال کی جتنی تعریف سُنی تھی یہ اس سے بھی زیادہ اچھا اور معلوماتی ثابت ہوا۔
افتخار احمد آرائیں اور رضوان احمد آرائیں، گوٹھ رکن الدین ڈگری

- نونہال ایک ایسا باغیچہ ہے جسے پورے ملک کے نونہال سنوارتے ہیں اور وہی اس کے گل، غنچے، تتلیاں، خوش بُو اور بھنورے ہیں۔ صلاح الدین عباسی، سکھر
- نونہال پانے کے بعد دل کو سکون و تسکین ملتی ہے۔
حفیظ اللہ، لانڈھی کراچی
- کہانیاں اور لطائف وغیرہ بہت مزے دار تھے۔
محمد عاقل احمد خان، پرانا سکھر
- لطیفے معیاری تھے۔ سائرہ حاجی بشیر میمن، ٹھٹھ
- جناب حکیم محمد سعید کے "جاگو جگاؤ" نے بہت ہی متاثر کیا۔ منوّر علی صدیقی، دولتپور صفن
- جاپانی گڑیا (میرزا ادیب)، جشن آزادی (مجیب ظفر انوار) اور سارہ کی دنیا (نوشینہ محمود) اچھی تھیں۔ نظموں میں "چلیں گے" (عباس العزم) بہت اچھی تھی۔ لئیق محمد، مکلی ٹھٹھ
- جاگو جگاؤ، پسند آیا۔ محمد یونس مینگل، کراچی
- میں پھولوں میں گلاب کو اور رسالوں میں نونہال کو پسند کرتا ہوں۔ علی شفیق، کراچی
- نظم "اک تصویر" (شاعر لکھنوی) بے حد پسند آئی۔ کہانیاں بھی اعلا معیار کی تھیں اور ٹائیٹل نے تو نونہال میں چار چاند لگا دیے۔ شکیلہ ارم ناز، لانڈھی کراچی
- ہمیں نونہال بہت پسند ہے۔
علی حیدر، خالد عنصر، ولیسہ اٹک
- کہانیوں کا انتخاب تو بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر "جاپانی گڑیا" بہت پسند آئی۔
شائستہ مشتاق۔ اسماعیل علی خان نانڑ
- شاعر لکھنوی کی نظم "اک تصویر" اچھی تھی۔
سفیر حسین نثار، چکڑالہ میانوالی
- سرورق دیکھتے ہی دل باغ باغ ہوگیا۔
چوہدری جاوید اقبال پرواز، چکوال
- ہر حال میں صبر اور شکر (طالب ہاشمی) پسند آئی۔
وجیہہ خان، بہاول نگر

- جناب حکیم محمد سعید صاحب جس خلوص اور جذبے کے ساتھ جاگو جگاؤ لکھتے ہیں وہ قابلِ تحسین ہے۔ ان کی تحریر مختصر ہوتی ہے، لیکن بڑی موثر اور عمدہ ہوتی ہے۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات ایسی تھی جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر بات چیت سے اپنے فرائض سے آگاہ کیا جا رہا ہو۔ شفقت سے سمجھایا جا رہا ہو۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کا مضمون "مجھے شکایت ہے" دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ حافظ محمد اکرم سیال، ننکانہ صاحب
- اس ماہ کا پرچہ بہت اچھا لگا۔
رجب، صُبحان تھمینہ، لاڑکانہ
- اگست کے نونہال کی ہر تحریر دل کو بے حد بھائی۔
سید اصغر علی شاہ بخاری، لانڈھی کراچی
- اگست کا نونہال بہت ہی اچھا تھا۔
رئیس رحمت اللہ اور رئیس عبدالغنی، چوک ظاہر پیر
- میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نونہال کو اور ترقی دے۔
سید فضل ودود، حسین شاہ سیدی
- "قصہ چہار جانور" بہت پسند آئے۔
عبداللہ شجاع، لاڑکانہ
- نظمیں اچھی تھیں۔ خصوصاً "لوری" اور "چلیں گے" بہت پسند آئیں۔ نعمان ظفر، کراچی
- سرورق بے حد خوب صورت لگا۔ جاپانی گڑیا اور سارہ کی دنیا، بہت پسند آئیں۔ نظمیں تمام ہی اچھی تھیں
نور جہاں احمد، شہداد پور
- مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ کہانیاں بھی سبق آموز ہوتی ہیں۔ بس تنقید کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی۔
علی قادر، ماڈل ٹاؤن لاہور
- لطیفے کچھ خاص نہیں تھے۔
رفاقت اللہ یوسف زئی، ڈیرہ اسماعیل خان
- نونہال بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس میں بہت معلومات ہوتی ہیں۔ مجھے نونہال کی وجہ سے بہت معلومات حاصل ہوئیں۔
کشور کمار، ذیل پاک حیدرآباد

● "جاگو جگاؤ" اور "پہلی بات" نے ذہن و دل کو حسبِ معمول بے داری عطا کی۔ "جب ہم پڑھتے تھے" کے عنوان سے جناب احمد ندیم قاسمی صاحب کا خاصا متاثر کن مضمون پڑھا تو میں بے اختیار یہ تجویز لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ "نونہال" میں ہر ماہ پاکستان کے مشہور ادیبوں، شاعروں اور مشہور شخصیات کے بچپن کے حالات انھی کی زبانی تواتر سے شائع کیے جائیں۔

سید مہدی علی، شہداد پور

● نظموں میں برکھا رُت (تنویر پھول) بہت پسند آئی۔

شبانہ عبدالغنی، کراچی

● 'ہر حال میں صبر اور شکر' اور 'سارہ کی دنیا' قابلِ تعریف تھیں۔ احمد شکیل، شہلا ناز اور محمد ابراہیم، حیدر آباد

● نظموں میں 'لوری' اور 'چلیں گے' بہت اچھی لگیں۔

نغمہ نواز، ہما نواز، سکھر سندھ

● میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ ہمدرد نونہال کے اندر شہزادیوں، پریوں والی کہانیاں نہیں چھاپتے۔

آرزو جلال اور شاہانہ جلال، پشاور

● سرورق نہایت خوب صورت تھا۔

سرفراز خان اور شہریار خان، اٹک

● لطائف بہت ہی مزے دار تھے۔

امداد علی پلیجو، مجاور، جنگ شاہی

● کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

مجیب الرحمٰن پلیجو، لیاری، کراچی

● ہر حالت میں صبر اور شکر (طالب ہاشمی) ہی پسند آئی۔

رسول بخش ہالاری اور عبدالحفیظ جاکھرو، جنگ شاہی

● جب ہم پڑھتے تھے، جاپانی گڑیا اور جنگلی حیوانات بہترین تحریریں تھیں۔ ظفر کمال ہاشمی القریشی، بہاول پور

● سرورق بہت ہی خوب صورت تھا۔ مونٹی کرسٹو کا نواب، سب سے اچھی جا رہی ہے۔ جاپانی گڑیا، مجرم کون؟، قصہ چہار جانور، جشنِ آزادی اور سارہ کی دنیا بہتر کہانیاں تھیں۔

طارق نواز، طائرہ نواز، سائرہ نواز، ڈھیر مونڈ

● آدھی ملاقات میں خطوط بہت ہی چھوٹے لفظوں میں دیے جاتے ہیں۔ ہمیں بہت قریب سے پڑھنا پڑتا ہے۔ ہماری آنکھیں خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

منظور، شریف، امجد، مبارک بلوچ، حاجی شنبو ولیج

● ہر کہانی لاجواب تھی۔ خصوصاً میرزا ادیب کی جاپانی گڑیا، اور نظم 'لوری' نے بے پناہ متاثر کیا۔

حامد علی شاہد، تلہ گنگ، لاوہ

● اگست کے شمارے میں سچی خوشی اور جشنِ آزادی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ حماد بشیر، راول پنڈی

● لطیفے مزے دار تھے۔ کہانیوں میں "جاپانی گڑیا" اور "جشنِ آزادی" پسند آئیں۔ جب کہ نظموں میں "ارضِ وطن" اور "چلیں گے" اچھی لگیں۔

ندا یٰسین میمن اور نادیہ یٰسین میمن، نواب شاہ

● چند کہانیوں اور مضامین کے سوا تمام رسالہ بور ثابت ہوا۔ تاہم کہانیوں میں "جب ہم پڑھتے تھے"، (احمد ندیم قاسمی) "جاپانی گڑیا"، (میرزا ادیب)، "جشنِ آزادی" (مجیب ظفر انوار)، اور مجرم کون؟ اچھی تھیں۔ اس کے علاوہ مضامین اور نظمیں مثلاً "جنگلی حیوانات"، نظم "برکھا رُت" مزے دار تحریریں تھیں۔

نصیر احمد قریشی، بھریا شہر

● سرورق بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں 'مونٹی کرسٹو کا نواب' اور 'جاپانی گڑیا' پسند آئیں۔ لطیفے بھی چٹ پٹے تھے۔ پڑھ کر لطف آگیا۔ آپ معلوماتِ عامہ کے سوالات ذرا آسان دیا کریں اور سوالات کے درست جوابات دینے والوں میں سے ایک ساتھی کو بذریعہ قرعہ اندازی منتخب کرکے انعام دیا کریں۔

محمد بلال رضا، مخدوم پور

● جناب احمد ندیم قاسمی کی تحریر 'جب ہم پڑھتے تھے' بہت پسند آئی۔ 'جشنِ آزادی' نے بھی متاثر کیا۔ کھل کھلائیے کے صفحات اتنے ہی کافی ہیں، مزید نہ بڑھائیں۔ اگر میں نونہال کے لیے خود ساختہ کہانی ارسال کروں تو کیا شائع ہو جائے گی؟

ناصر ادریس آرائیں، جڑانوالہ

ھمدرد

پیلو ٹوتھ پیسٹ

حفظِ دنداں کے لیے مکمل، موثر، مثالی پیش کش

فلورائیڈ کے ساتھ

پیلو کے معجزانہ خواص کی بازیافت

ھمدرد ٹوتھ پیسٹ دانتوں اور مسوڑھوں کے استحکام اور تحفظ کے لیے پیلو کے مجرّب اور موثر اجزاء سے تیار کیا گیا ہے۔

پیلو میں قدرت نے دانتوں اور مسوڑھوں کے لیے حیرت انگیز طبی خواص رکھے ہیں اور اہلِ مشرق انہیں صدیوں پہلے سے جانتے ہیں۔ اب جدید سائنس نے بھی ان کی تصدیق کر دی ہے اور مغربی ممالک طویل تحقیق کے بعد دانتوں کی صحت و صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے پیلو سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔

ھمدرد نے بھی پیلو کے اسی نباتی و قدرتی عنصر اور دوسرے موثر اجزاء سے آپ کے لیے یہ نیا ٹوتھ پیسٹ تیار کیا ہے۔

ھمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ دانتوں کو صاف و سفید، مسوڑھوں کو مضبوط و صحت مند رکھتا ہے اور امراضِ دہن سے مکمل تحفظ کی ضمانت ہے۔

آپ اس سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ ھمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ بے مثل ہے۔

ھمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف

آواز اخلاق

حقیقی کامیابی لگاتار محنت کا نام ہے

سلسلہ ۲۸۰

معلومات عامہ کے صحیح جوابات

۱۔ اسلامی تاریخ میں سنہ ۸ ہجری/ ۶۳۰ عیسوی کی خصوصی اہمیت یہ ہے کہ آنحضرت کی کمان میں اسلامی فوج نے اس سنہ میں مکّہ فتح کیا تھا۔
۲۔ پرش پور پشاور کا پُرانا نام ہے۔
۳۔ "ومبلڈن ٹینس چیمپئن شپ" ٹینس کا سب سے پُرانا ٹورنامنٹ ہے۔
۴۔ ریڈرز ڈائجسٹ دنیا کی پندرہ زبانوں میں چھپتا ہے۔ یونیسکو کورئیر جس کا اردو ایڈیشن "یونیسکو پیامی" ہے دنیا کی ۳۵ زبانوں میں چھپتا ہے۔
۵۔ دنیا کی سب سے بڑی ہوائی کمپنی کا نام ایئر فرانس ہے۔
۶۔ راولپنڈی کے قریب قصبہ مانکیالا سکندر اعظم سے متعلق ایک تاریخی واقعے کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ سکندر اعظم کا گھوڑا بوسیفیلس مانکیالا میں دفن ہے۔
۷۔ بر اعظم جنوبی امریکا میں برازیل اور ارجنٹینا کے درمیان پیراگوئے اور یوروگوئے واقع ہیں۔
۸۔ بحر قلزم اور بحر اسود کی طرح ایک اور سمندر بحر ابیض (وائٹ سی) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سمندر بحر منجمد شمالی (روس) میں واقع ہے۔
۹۔ پیراشوٹ کے موجد کا نام لوئ لیونور ماں ہے۔
۱۰۔ پاکستان کے سب سے بڑے تاریخی ناول نگار جناب نسیم حجازی ہیں۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والے کا نام

فہد رحمٰن ، لاہور

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

گڑھی اختیار خان

سعید خالق

سلطان محمود کوریجہ

مختلف شہروں سے

عاشق حسین نازش، سنجھورو

حلیمہ عزیز احمد، پشاور

خلاء کے پار

جاگو جگاؤ

قیمت: ۱۰ رُپے

پروفیسر زرگر کا خلائی جہاز "سنہری شاہین" برسوں سے خلائے بعید کا سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس سفر میں اس کی بھتیجی تہمینہ بھی تھی۔ ایک دِن سنہری شاہین ایک نئی کہکشاں میں داخل ہو گیا۔

یہ "نظامِ را" تھا۔ را کے آٹھ سیارے تھے جن میں سے سات پر گیسیں تھیں اور دھواں تھا مگر آٹھویں پر زندگی کا امکان تھا۔ اس سیارے کا نام آئِس تھا۔

جیسے ہی پروفیسر کو اس نئے سیارے کے بارے میں معلوم ہوا اُس نے اس پر اُترنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے فلائر میں بیٹھ کر آئس کے ایک ویران علاقے میں اُتر گیا۔ کئی روز تک تہمینہ سنہری شاہین میں انتظار کرتی رہی اور آخر اس نے انجان سیارے پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

کیا تہمینہ اپنے چچا کو تلاش کرنے میں کام یاب ہو گئی؟

اس نے سیارہ آئس کی سرزمین پر کیا دیکھا؟

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

ہمدرد سنٹر ناظم آباد، کراچی

نونہال لغت

اُسْوَہْ — اُس وَہْ — قوم کا سردار

اُس وَہْ — نمونہ، مثال، روش

مستفید — مُسْ تَ فِیدْ — فائدہ چاہنے والا

فیض یاب — فَیض یَابْ — فیض پانے والا

فہمیدہ — فَہْ می دَہ — سمجھا ہوا

لَوحِ محفوظ — لَوْحے مَحْ فوظ — وہ تختی جس پر ازل سے ابد تک کے واقعات لکھے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

مشکی — مُشْ کِی — مشک سے منسوب، کالی چیز، کالا سیاہ، غراب۔

مُسَالَا — مَ سَالَا — چونا اور سرخی جو عمارت پر کی جائے، وہ کتابیں جن سے تالیف میں مدد مل سکے، گوٹا، کناری، دھنیا، مرچ وغیرہ چونے کتھے کے ساتھ پان کی جگہ کھانے والی چیز یا مرکب، ہر چیز کی تیاری کے لوازم۔

مصالحہ — مُ صَالِحَہْ — اصلاح کا سامان۔

معمور — مَعْ مُوْرْ — آباد، بسا ہوا، بھرا ہوا، بند مقفل۔

ناظرہ — نَاظِرَہْ — دیکھ کر قرآن پڑھنا، دیکھنے کی قوت، حافظے کے خلاف۔

متکبّر — مُ تَ کَبْ بِر — مغرور، گھمنڈی، خود پسند۔

اندیشہ — اَن دِے شَہ — دھڑکا، خوف، کھٹکا، فکر۔

تِشنا — تِشْ نَا — ملامت، طعنہ، بدگوئی۔

تَشنہ — تَشْ نَا — پیاسا، خواہش مند۔

قماش — قِ مَاشْ — وضع، ڈھنگ، قسم

مہابت — مَہَابَتْ — خوف، ڈر، شان و شوکت۔

گھوں گا — گھُوں گَا — ایک دریائی جانور جو خشک ہوجاتا ہے اور اس کو پھونک کر چونا بناتے ہیں، سنکھ، خرمہرہ۔

خس و خاشاک — خَسو خَاشَاکْ — کوڑا کرکٹ

مَنڈی — مَنْ ڈِی — بڑا بازار جس میں ہر چیز بہت زیادہ تعداد میں جمع اور فروخت ہوتی ہے۔

شمارہ اگست میں مُعْجِزَہ کے ج پر غلطی سے زبر لگ گیا۔ صحیح زیر ہے، یعنی مُ عْ جِ زَہْ ۔ اس غلطی پر ادارے کو افسوس ہے۔ نونہال اپنے اپنے رسالے میں ٹھیک کرلیں۔

manhattan PAKISTAN

رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹
ہمدرد نونہال
اکتوبر ۱۹۸۹

SCAN K.T.F.
R-LINTAS